شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیر حیات

۳ صفر ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ ‖ قیمت فی پرچہ ۳۵ پیسے

Regd No. L 1951
FORTNIGHTLY
TAMEER-E-HAYAT
Phone 22948
Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

مکتبہ دار العلوم کی دوسری مطبوعات

مسئلہ ختم نبوت — علم و عقل کی روشنی میں

تالیف: مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

اس کتاب میں مسئلہ ختم نبوت کو ٹھوس علمی و تحقیقی انداز میں ثابت کیا گیا اور عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اور ضرورت کو خالص علمی و عقلی دلائل سے واضح کیا گیا ہے، ہر صاحب عقل سلیم اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ختم نبوت کا قائل ہو جائیگا، قادیانیت کے طلسم میں گرفتار اور عقیدہ ختم نبوت میں شک و شبہ کرنیوالے افراد کے حق میں یہ فاضلانہ تصنیف روشنی کا ایک عظیم مینار ہے! قیمت: ۲ روپئے ۲۵ نئے پیسے

منثورات

از مولانا [illegible]

اس کتاب میں مصنف نے ان [illegible] سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء [illegible] پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں [illegible] کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔ قیمت —

تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن

از مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی

چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ و عالم، اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کی سوانح حیات، حالات، ارشادات و ملفوظات، جو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے، معلوم ہوتا ہے کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو درد و محبت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔ قیمت عہ

جزیرۃ العرب

از مولانا محمد رابع ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ جغرافیہ کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اس میں سیرت، تاریخ و ادب عربی کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اسکی وجہ سے کسی جگہ کی جغرافیائی اہمیت کیساتھ اسکی دینی اور ادبی اہمیت بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم و جدید دونوں ماخذ سے استفادہ کیا گیا۔ اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتائے گئے ہیں اور جا بجا وضاحتی نقشے بھی دئیے گئے ہیں، اسکا تذکرہ عالم عربی کے اخبارات نے اچھے انداز میں کیا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے، اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب۔ قیمت ۵ روپیہ

دہلی اور اسکے اطراف

از مولانا حکیم سید عبد الحی رح سابق ناظم ندوۃ العلماء

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفرنامہ اور روزنامہ ہے جو انیسویں صدی کے اخیر میں لکھا گیا تھا اس سفرنامہ سے اندازہ ہوگا کہ گذشتہ صدی کے علماء کس ثقافت اور علم کے حامل تھے اور ان کا مطالعہ کتنا وسیع، عمیق اور بحر تھا، آپ کو اس سفرنامہ میں شعر و سخن کا ذوق، تنظیم، گہری تاریخی واقفیت، سلاسل تصوف اور انکی خانقاہوں اور قبروں پر اطلاع، متقدمین کی تصنیفات اور کتابوں سے آگاہی اور ان کے مسلک اور عہد کے نشانات جا بجا ملیں گے۔ قیمت مجلد مہ روپیہ

معلم الانشاء

از مولانا عبد الماجد صاحب ندوی و مولانا محمد رابع صاحب ندوی

انشاء تمام زندہ زبانوں کا اہم مضمون ہے، موجودہ جمہوری دور اور صحافتی و مجلسی زندگی نے اس کی اہمیت کو ستہ روشن کر دیا ہے۔ دعوت و تبلیغ کے تقاضوں، ملکوں اور قوموں کے ارتباط و تعلق نے اسکو بصورت اجتماعی و ادبی فلکہ دینی اہمیت بھی بخش دی ہے۔ چنانچہ دار العلوم ندوۃ العلماء نے وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ان کے ایک ایسے سلسلے کی ترتیب دی ہے جو عربی مدارس کے اساتذہ کی پوری رہنمائی کر سکے اور عربی مدارس میں تعلیم انشاء کا نصاب بن سکے۔
کاغذ کتابت و طباعت معیاری۔ حصہ اول (مولانا عبد الماجد ندوی) قیمت ۱/۷۵
حصہ دوم (" " ") " ۲/۶۲
حصہ سوم (مولانا محمد رابع ندوی) " ۲/۵۰

الأدب العربي
بين عرض ونقد

از مولانا محمد رابع ندوی۔ ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

عربی ادب کی تاریخ اور تنقید کے موضوع پر ہندوستان میں یہ سب سے پہلی کوشش ہے جو الادب العربی بین عرض و نقد کے نام سے عربی زبان میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے پیش کی ہے۔
اس کتاب میں عربی ادب کی تاریخ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور یہ تین بڑے حصوں پر مشتمل ہے۔
ادب کی حقیقت ❊ تنقید و تجزیہ ❊ ادبی نمونے
مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے مقدمہ کے ساتھ خوبصورت عربی ٹائپ پر یہ کتاب چھپ کر آگئی ہے۔
(قیمت صرف چار روپے)

Cover Printed at NADWA Press, Lucknow

اسلامی قانون

عالم اسلام میں ایک ایسی طاقتور عالمگیر علمی تحریک کی کمی برابر محسوس کی جارہی ہے جو جدید طبقہ کا اسلام کے علمی ذخیرے سے رشتہ و روابط قائم کرسکے ، اسلامی علوم میں نئی رُوح پھونک سکے اس حقیقت کو ثابت کرسکے کہ اسلامی قانون اور فقہ نہایت وسیع اور ترقی پذیر قانون ہے اور وہ ایسے ابدی اصُولوں پر قائم ہے جو کبھی فرسودہ اور ازکاررفتہ نہیں ہوسکتے جس میں زندگی کے تغیرات و ترقیات کا ساتھ دینے کی پوری صلاحیت ہے اور جس کی موجودگی میں کسی وضعی وانسانی قانون کی پناہ لینے کی ضرورت نہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

(مُسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش)

چندہ
سالانہ ...... ۸ روپے
ششماہی ...... ۴ روپے
فی پرچہ ۳۵ پیسے

پندرہ روزہ — تعمیر حیات — لکھنؤ
شعبہ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
جلد (۷) شمارہ (۱۱)

۳ صفر المظفر ۱۳۹۰ھ
مطابق
۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نیا محاذ!

از ——— محمد الحسنی

حق و باطل کی لڑائی کوئی نئی نہیں ہمیشہ سے ہوتی آئی ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ لیکن پہلے یہ لڑائی کھلے میدانوں میں ہوتی تھی اور اس کا فیصلہ بھی جلد ہوجاتا تھا۔ اب یہ لڑائی خاندانوں میں، گھروں میں، بلکہ گھر کے کمروں میں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن سٹوں میں، کتابوں اور رسالوں میں، سڑکوں اور گلیوں میں غرض کہ زندگی کے ہر گوشہ میں جاری ہے۔ یہ وہ لادینی تحریکیں ہیں جنھوں نے پوری فضا کو مسموم اور زہر آلود کردیا ہے۔ یہ وہ صورت حال ہے۔ جس میں کوئی وقتی تدبیر کام نہیں دے سکتی۔ محض حفاظتی تدبیر سے صرف اتنا فائدہ ہوگا کہ یہ تحریکیں لمحہ بہ لمحہ مزید طاقتور ہوتی جائیں گی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمت کرکے اس سرچشمۂ فساد پر حملہ کیا جائے جس کی وجہ سے یہ ساری خرابیاں معاشرہ میں پیدا ہورہی ہیں، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر محاذ پر دفاع کی پوزیشن چھوڑ کر کھلے مقابلہ کی پوزیشن اختیار کی جائے۔ دینی عنصر ہر اس محاذ اور شعبہ میں جہاں لادینیت کا زور ہو اس کا مقابلہ کرنا نہ صرف اپنا فرض سمجھے، بلکہ یہ اسکے ذوق اور دلچسپی کی چیز بن جائے۔ یہاں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ لادینیت کی اتنی زبردست تحریک کا مقابلہ (جس کے پیچھے بے شمار وسائل اور لاتعداد کارکن ہیں) آخر کیسے ممکن ہے؟ لیکن اگر غور کریں گے تو اس سوال کا جواب ہمیں بہت آسانی کے ساتھ مل جائے گا۔ یہ جواب اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پہلے سے موجود ہے۔

انْ تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم — اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ بھی تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدموں کو مضبوطی سے جما دے گا۔

باطل کی ساری قوتوں اور اس کے سارے لاؤ لشکر اور اسباب و وسائل کا خلاصہ درحقیقت اتنا ہی ہے جتنا حدیث شریف میں آیا ہے۔ جب عرب کے مشرکوں نے بڑے فخر سے یہ نعرہ لگایا کہ:-

ان لنا العزی ولا عزی لکم — ہمارے پاس تو عزی (بت) ہے اور تمھارے پاس نہیں ہے

تو مسلمانوں کو حکم ہوا کہ اس کے مقابلہ میں وہ بھی اپنا نعرہ لگائیں اور اسی بلند آوازے لگائیں:-

اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم — اللہ ہمارا مولا و کارساز ہے اور تمھارا کوئی مولا و کارساز نہیں۔

ان کی ساری قوت و طاقت اور شان و شوکت یک طرف لیکن ان کے پاس وہ پاسنگ نہیں جو فتح و نصرت کو کھینچ سکے۔ البتہ خلوص کے ساتھ آغاز کرنا ہمارا فرض ہے تکمیل و کامیابی اور انجام و اختتام اللہ تعالیٰ کا کام اور اس کا فضل و انعام ہے۔

قرآن مجید کا یہ اعلان ہر دور کے لئے ہے:- ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

اس کے لئے ہماری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ ہم سچے مسلمان ہوں، سچے مسلمان کا مطلب یہ ہے کہ ہم مخلص ہوں اور یہ کام محض خدا کی خوشنودی کے لئے کررہے ہوں، دوسرے یہ کہ ہمارے اندر دعوتی روح اور اشاعت دین کا جذبہ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ من احب اللہ وابغض للہ فقد استکمل الایمان (جس نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ کے لئے نفرت کی اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا)۔ ایمان کی تکمیل اور انتم الاعلون کی منزل تک پہونچنے کے لئے الحب للہ اور البغض للہ کے یہ دو شہپر یا یہ دو کرنٹ اسی طرح ضروری ہیں، جس طرح بجلی پیدا کرنے کے لئے مثبت و منفی کرنٹ ضروری ہوتے ہیں۔

یہ کرنٹ جب تک ایک دوسرے سے نہ ملیں گے لادینیت کے اس سیلاب کا کسی محاذ پر بھی مقابلہ ممکن نہیں۔ اجتماعی و انفرادی طور پر ہمیں اس کا جائزہ لینا چاہیے کہ خود ہمارے اندر اور ہمارے نوجوانوں میں یہ صفات موجود ہیں یا نہیں جن کو تکمیل ایمان کی شرط بتایا گیا ہے اور جن پر نصرت کا وعدہ ہے۔

قرآن کا پیام

(مولانا عبدالماجد دریابادی)

الٓمّٓ ۝ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝

لہ ا۔ لام۔ م لہ اللہ وہ ہے کہ کوئی خدا نہیں بجز اس کے سلہ زندہ (خدا ہے) سب کا سنبھالنے والا سلہ

نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ

(خدا ہے) اسی نے یہ کتاب آپ پر نازل کی ہے قطعیت کیساتھ لہ انکی تصدیق کرنیوالی جو اس سے پہلے

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ۔

آچکی ہیں لہ اور اسی نے اتارا تھا توریت اور انجیل کو (اس سے) پیشتر لوگوں کی ہدایت کیواسطے لہ

وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ

اور اسی نے فرقان کو اتارا لہ بیشک جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں سے کفر کیا ان کے لئے

عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۝ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

عذاب سخت ہے لہ اور اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور بدلہ لینے والا ہے

لہ یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ منقول ہے کہ یہ حروف مخفف ہیں فقرہ انا اللہ اعلم کے۔

سلہ (نہ بہ حیثیت اقنوم کے نہ کسی اور حیثیت سے) یعنی اس خدائے واحد کا شریک کوئی نہ ذات میں ہے نہ صفات میں نہ افعال میں۔ دنیا میں بکثرت ایسے مشرک مذہبوں کا وجود رہ چکا ہے اور اب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ خدائے اعظم تو بیشک ایک ہی ہے۔ لیکن اسکے ماتحت شعبہ وار چھوٹے چھوٹے خدا، دیوتا اور دیویاں تو بہت سی ہیں۔ قرآن مجید ان سب کی تردید کرکے کہتا ہے کہ نفس وجود ہی کسی دوسرے خدا کا نہیں۔ نہ چھوٹے کا نہ بڑے کا، الوہیت و ربوبیت تمام تر ایک ہی ذات میں ہے۔ آیت علاوہ ان جاہلی مذاہب کے خاص طور پر مسیحی عقائد کے بھی رد میں ہے۔

سلہ الحیّ۔ وہ وہ خدا ہے جو ہمیشہ زندہ ہی تھا اور زندہ ہی رہے گا۔ موت کا اس کے لئے کوئی امکان ہی نہیں، نہ صلیب کے اوپر نہ کسی اور طرح۔ اس کی حیات جس طرح آج قائم ہے۔ ہمیشہ سے قائم ہے۔ یہ نہیں کہ اسے بار بار قالب بدلتے رہنے کی ضرورت پیش آئے۔ کبھی وہ انسان بنجائے اور کبھی حیوان۔ پھر وہ زندہ اس طرح کا بھی نہیں کہ ہر سال اس پر موت طاری ہوا کرے اور پھر وہ حیاتِ تازہ حاصل کرتا رہے۔ الحیّ کے ایک لفظ نے اس کی قدیم ولازوال صفتِ حیات کا اثبات کرکے ان سارے خرافات کی تردید کردی، جو دوسرے مذہبوں میں اسوقت تک موجود رہ چکی ہیں۔

القیّوم۔ وہ بذاتِ خود قائم ہے اور ساری مخلوقات اس کے وجود سے قائم ہے۔ یہ نہیں کہ وہ خود بھی کسی معنی میں کسی دوسرے کا محتاج ہو جیسا کہ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ: ''جس طرح بیٹا بغیر باپ کے تنہا خدا نہیں اسی طرح باپ بغیر بیٹے کے تنہا خدا نہیں۔'' (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۔ ص۵۳۶)

گویا (نعوذ باللہ) ابن اللہ اور اللہ دونوں اپنی خدائی میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ صفتِ قیومیت کا اثبات کرکے قرآن مجید نے فرزندی خدا کے عقیدہ کی جڑ ہی کاٹ دی۔ بہت سے جاہلی مذاہب ایسے بھی ہیں جو ایک طرف خدا کو خدا بھی مانتے جاتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کے بھی قائل ہیں کہ وہ پیدا کسی اور سے ہوا۔

قرآن مجید کا یہ خصوصی و امتیازی اعجاز ہے کہ اپنے ایک ایک لفظ سے وہ تردید متعدد اور بڑی بڑی گمراہیوں کی کرجاتا ہے۔

سلہ (لفظاً لفظاً۔ اے پیغمبر!)

نَزَّلَ۔ کا مصدر تنزیل ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں قرآن مجید کے لئے بکثرت آیا ہے۔ برخلاف اَنْزَلَ مصدر، (انزال) کے جو عموماً دوسری کتب آسمانی کے لئے آیا ہے۔

تنزیل۔ میں تدریج اور ٹکڑے ہوکر نازل کا تخیل تو موجود ہی ہے۔

القرآن نزل نجوماً شیئاً بعد شیٔ والتنزیل مرة بعد مرة (قرطبی) قیل التنزیل یکون تدریجاً ومرة بعد مرة والانزال اعم عنہ۔ (اقرب)

لیکن عجب نہیں کہ اس کے مفہوم میں قرآن کا لفظ بہ لفظ، حرف بحرف نازل ہونا بھی شامل ہو۔ اور کیا عجب ہے کہ اس معنی کی سند آگے چل کر کسی محقق کو عربی لغت وزبان ہی سے ہاتھ آجائے۔

بالحق۔ حق کے تحت میں حکمت بھی داخل ہے اور راستی بھی اور قوت دلائل بھی۔ اور یہ لفظ ھزل کے مقابل بھی ہے۔

انہ قول فصل ولیس بالھزل (کبیر) نزل بالحق لا بالمعانی الباسرة المتناقضة (کبیر) بالصدق وقیل بالحجة الغالبة (قرطبی)

ھہ (کتب آسمانی میں سے)

مُصَدِّقٌ۔ قرآن نے بار بار صراحت کردی ہے کہ اس کا تعلق کتب قدیم سے تصدیق کا ہے اور قرآن اجمالاً انکے مضامین کی تصدیق و توثیق ہی کرتا ہے۔ یہیں سے ان دشمنانِ دین کی نادانی بھی ظاہر ہوئی جاتی ہے جو کسی قرآنی بیان کے مثل کوئی مضمون توریت و انجیل وغیرہ کا اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا انھوں نے کوئی خاص انکشاف کیا ہے۔ اور نعوذ باللہ، گویا قرآن کی بڑی چوری پکڑی ہے۔

سلہ (اُن کے زمانہ میں)

توریت اور انجیل قرآن مجید کی اصطلاح میں دو مستقل آسمانی کتابوں کے نام ہیں اور قرآن تصدیق انہی کی کرتا ہے لیکن موجودہ بول چال میں توریت نام ہے متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا، جن میں سے ہر صحیفہ کسی نہ کسی نبی کی جانب منسوب ہے لیکن انہیں سے کسی ایک صحیفہ کی بھی تنزیل لفظی کا دعویٰ کسی یہودی کو نہیں۔ اسی طرح انجیل نام ہے متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا جن میں حضرت مسیح ؑ سے متعلق مجہول الحال لوگوں کی جمع کی ہوئی حکایتیں، روایتیں اور ملفوظات ہیں، لیکن ان میں سے کوئی صحیفہ بھی مسیحیوں کے عقیدہ میں آسمانی نہیں، بلکہ مسیحی صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ مجموعہ حواریوں کے دور میں بلا ارادہ اور بلا توقع تیار ہوگیا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۳ ص۵۱۳ طبع چہاردہم) خوب سمجھ لیا جائے کہ ایسے بے سند ''مقدس نوشتوں'' کی تصدیق و توثیق کی ذمہ داری قرآن ہرگز نہیں لیتا اور موجودہ بائبل، یعنی عہد عتیق وعہد جدید کا کوئی جزو بھی قرآن مجید کے ماننے والوں پر حجت نہیں۔

مِنْ قَبْلُ۔ یعنی قرآن سے قبل، عہدِ عیسیٰ ؑ میں ان کی امتوں کے لئے۔

ٹہ (اب، سب کی ہدایت کے لئے)

فُرْقَان۔ اور فرق اصلاً ہم معنی ہیں بجز اس کے کہ فرق کے معنی تو محض اور مطلق امتیاز کے ہیں خواہ وہ کسی کے درمیان ہو اور فرقان مخصوص اس امتیاز کو کہتے ہیں جو حق وباطل کے درمیان ہو۔

الفرقان ابلغ من الفرق لانہ یستعمل فی الفرق بین الحق والباطل (راغب)

بعض کے نزدیک الفرقان اسم جنس ہے کل کتب آسمانی کے لئے۔

جنسٌ للکتب السماویة (کشاف)

ایک محقق کا قول ہے کہ اس سے مراد معجزات ودلائل نبوت ہیں جو ہر پیغمبر کو عطا ہوتے رہتے ہیں۔

والمختار عندی ان المراد من ھذا الفرقان المعجزات التی قرنھا اللہ تعالیٰ بانزال ھذہ الکتب (کبیر)

لیکن محققین کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔

ھو القرآن انزل علی محمد وفرق بہ بین الحق والباطل (ابن جریر۔ عن قتادة) ای القرآن (قرطبی)

الفرقان ھھنا القرآن (ابن کثیر۔ عن قتادة والربیع)

شہ (آخرت میں تو یقیناً اور دنیا میں بھی احتمالاً۔

کفروا۔ یعنی باوجود اس کے کہ ان پر تبلیغ دین پوری طرح ہوچکی تھی۔ وہ کفر اختیار کئے رہے۔

اٰیٰت اللہ۔ سے مراد آیاتِ قرآنی بھی ہوسکتی ہیں، اور نشانیاں بھی یعنی توحید کے دلائل و شواہد۔

ہ خوب خیال رہے کہ سورہ کا اصل موضوع مسیحیت کی تردید اس لئے عموماً ایسی ہی صفات کا اثبات کیا گیا ہے جس سے

(باقی صفحہ ۱ پر دیکھئے)

افاداتِ حضرت .... مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

(ایک نادر مکتوب)

امراضِ نفسانی اور اُن کا علاج

نفس اور شیطان انسان کے ساتھ ایسے دشمن لگے ہوئے ہیں جو کہ ہر امر خیر اور ہر عبادت الٰہی سے روکتے رہتے ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ان اعداءُ عدوک نفسک التی بین جنبیک الحدیث (سب سے زیادہ نقصان پہونچانے والا دشمن تمھارا وہ دشمن ہے جو تمھارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے)۔

حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں:- وَمَآ اُبَرِّیُٔ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ۔ الآیة (سورہ یوسف)

قرآن شریف میں ہے: یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ۔ الآیة (اے آدم علیہ السلام کے بیٹو! خبردار رہو کہیں تم کو شیطان فتنوں میں مبتلا نہ کردے جیسے کہ اس نے تمھارے دونوں ماں باپ کو جنت سے ننگا کرواکر نکلوا دیا۔ وہ اور اس کا خاندان تم کو ایسی جگہ اور اس طرح سے دیکھتا ہے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے الخ)

ان دونوں دشمنوں کے ہوتے ہوئے یقیناً ہر عبادت اور ہر سعید عمل اور عبادت میں خلل پڑے گا اور بدمزگی پیدا ہوگی۔ ہاں اُن دونوں کے پسندیدہ کاموں میں مزہ بھی آئے گا اور خوشی بھی ہوگی، اس کے برخلاف عقل اور فرشتے کارِ خیر اور معینہ امور کی طرف انسان کو کھینچنے والے ہیں، قرآن مجید میں ہے: یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ الآیة (یعنی اللہ اتارتا ہے فرشتوں کو روح کی معیت میں جس بندہ پر چاہتا ہے کہ اس کو ڈراؤ، میرے سوا کوئی مستحق معبودیت نہیں ہے بس مجھ سے ڈرو۔ الخ)

عقل انسانی میں مثل نور آفتاب معنوی روشنی پیدا کرنے والی طاقت ہے، جس سے بھلائی اور برائی کی تمیز ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ سے انسان اپنے نفع و نقصان پر مطلع ہوجاتا ہے اور اپنی عملی طاقتوں کو بروئے کار لاکر نفع حاصل کرتا ہے۔ اس لئے جبتک آپ کا نفس آپ پر غالب ہے اس وقت تک شیطان کا تسلط ہے۔ ہر عبادت میں خواہ نماز ہو یا تلاوتِ قرآن ہو یا کوئی اور عبادت ہو، لذت کا نہ ہونا، طبیعت کا گھبرانا وغیرہ لازمی امور ہونگے اور اسی طرح معاصی کی طرف رغبت ہوگی اور اس میں لذت آنی بھی ضروری ہوگی۔ اب اس چیز پر قابو پانے کے لئے مختلف جد وجہد کی ضرورت ہے:-

اول۔ کثرتِ ذکر خواہ قرآن حکیم پڑھنا یا اللہ تعالیٰ کا نام زبان سے ہر وقت جاری رکھنا وغیرہ فرمایا جاتا ہے۔ وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ الآیة (جو شخص رحمان کے ذکر اور اس کی یاد سے غافل ہوا ہم اس پر شیطان کو مسلط کردیں گے وہ اس کے ساتھ جُڑا رہے گا)۔ غرضیکہ ذکر کی کثرت سے شیطان کا تسلط کم ہوجاتا ہے، جس طرح گھر والوں کے جاگتے رہنے اور سپاہیوں کی گشت سے چوروں کا خطرہ کم ہوجاتا ہے۔ اگر انسان بار بار قلب کی طرف توجہ کرتا رہے یا غفلت کو دُور کرنے والی تعلیم و تعلم میں مصروف رہے تو شیطانی تسلط کمزور پڑجاتا ہے:-

دوم:- اور عبادت کو خلافِ نفس، عبادت بنالینا۔ انسان پیدا ایسے ڈھنگ پر کیا گیا ہے کہ جس چیز پر اس کو عادی کیا جائے آہستہ آہستہ اُسی کا خوگر ہوجاتا ہے، خواہ ابتدا میں اُس کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اُٹھانی پڑی ہو۔ جس طرح تمبا کو کھانے، حقہ پینے، افیون کھانے، چرس اور شراب پینے وغیرہ کا انسان عادی ہوجاتا ہے۔ حالانکہ ایسی اشیاء کے استعمال کرنے میں اس کو ابتدا میں سخت تکلیف ہوتی ہے مگر رفتہ رفتہ اس قدر اس کی طلب اور خواہش ہوجاتی ہے کہ کھانے اور پینے پر انسان اس قدر حریص نہیں ہوتا، اور نہ اس کے نہ ملنے میں اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی کہ ان اشیاء پر حریص ہوتا ہے اور اُن کے نہ ملنے میں تکلیف پاتا ہے۔ یہی حالت امور عبادت اور تقربات خداوندی اور مرغوبیات روحانیت کی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اول قسم کے امور میں شیاطین کی اعانت ہوتی ہے مگر قسم ثانی میں ان کی طرف سے رکاوٹ ہوتی ہے اور فرشتوں کی طرف سے ضرور امداد ہوتی ہے۔ اس لئے امورِ عبادت میں اگر تھوڑے دنوں جد وجہد کیجائے اور نفس کے خلاف سعی پیہم جاری رکھی جائے تو تھوڑے عرصہ میں ان امور کی بھی عادت ہوجائے گی۔ اور بغیر ان کے انجام دئے چین نہ پڑے گا ذرا محنت اور دل لگانا اور مداومت ضروری ہے۔

سوم: عبادات سے مقصود تلذذ نہیں ہے اگر ان میں لذت ہوتی تو تکلیف ہی اُٹھ جاتی کیونکہ تکلیف کے معنی (الزام ما فیہ کلفة) یعنی ایسی چیز لازم کردی جائے جس میں انسان کو تکلیف اور مشقت ہو۔ کھانا، پینا، سونا، پاخانہ کرنا، سانس لینا وغیرہ امور طبیعیہ تکالیف نہیں ہیں۔ مکلف اور غیر مکلف سب میں پائے جاتے ہیں۔ نفس کو ان کے ادا کرنے میں تکلیف نہیں ہوتی بلکہ مزہ آتا ہے۔ اسلئے امور تکلیفیہ میں مزہ کا ڈھونڈھنا، غیر طبعی امور کا تلاش کرنا ہے، اور جمع بین الضدین ہے۔ اصلی غرض رضاء خداوندی ہے۔ ان امور کو انجام دینے ہی سے وہ حاصل ہوتی ہے اور روح میں پاکیزگی اور نورانیت پیدا ہوتی ہے اسلئے اس پر مداومت کرنی انشاء اللہ ضروری ہے۔ اس کی فکر ہونی چاہیے کہ مزہ آتا ہے یا نہیں ؎

صبر کن حافظ بسختی روز و شب
عاقبت روزے بیابی کام را

چہارم۔ ہمیشہ عبادت میں یہ خیال باندھنا چاہیے کہ میں اُس احکم الحاکمین شاہنشاہ علی الاطلاق، سمیع وبصیر، عالم بما فی الصدور، شہید علی کل شیٔ، محیط بکل شیٔ کے سامنے حاضر کھڑا ہوں۔ جس کے قبضۂ قدرت میں تمام زمین وآسمان اور تمام مخلوقات ہیں۔ وہ ہی ہر نفع و نقصان کا مالک ہے۔ وہ میری معروضات اور احوال کا سننے اور جاننے والا ہے اور اس کے احسان وانعام سے میرا اور میرے ہر عضو اور ہر فعل کا وجود اور کمال ہے اور تمام نعمتیں نطفہ کی حالت سے لے کر آج تک اُسی کی دی ہوئی ہیں وہ ہی میرا اور میرے ماں باپ، دادوں اور تمام اسلاف کا پالنے والا اور پیدا کرنے والا ہے۔ اگرچہ میں اُس کو دیکھ نہیں رہا ہوں مگر وہ مجھ کو ہر حال میں دیکھتا ہے۔ تو ان شاء اللہ تھوڑے ہی عرصہ میں مزہ اور خوف وخشیت پیدا ہوجائے گا۔ یہ خیال باندھنا کسی غیر واقعی چیز کا نہیں ہے بلکہ واقعی چیز کا خیال اور دھیان ہے جو کہ ہماری غفلتوں کی وجہ سے غیر واقعی صورت میں ظاہر ہورہا ہے اس کی مشق بڑھایئے انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

انسان کی طبعی بات ہے کہ لذیذ کھانا خوبصورت کپڑا اچھا معلوم ہو، اور جو چیز ایسی نہ ہو اُس سے نفرت ہو، خصوصاً جبکہ نفس امارہ غالب ہو، مگر دو چیزوں کا خیال رکھنا اس میں اصلاح پیدا کرتا ہے:-

اول یہ کہ جب آیت یَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَلَی النَّارِ اَذْھَبْتُمْ طَیِّبٰتِکُمْ فِیْ حَیَاتِکُمُ الدُّنْیَا (یعنی کافروں کو کہا جائے گا جبکہ وہ دوزخ پر پیش کئے جائیں گے کہ تم نے دنیاوی زندگی میں تمام لذتیں اٹھالیں اور اُن سے نفع یاب ہوچکے۔ اب تمھارے لئے ہمارے یہاں کچھ حصہ نہیں

کلام خیر الانام

معاملات اور معاشرت

مولانا محمد منظور نعمانی

معاملات اور معاشرت کا تعلق در اصل ہماری زندگی کی ضرورتوں اور خواہشوں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بڑا فضل فرمایا ہے۔ کہ ان چیزوں کے بارے میں بھی احکام دے کر ہمارے لئے ان کو بھی ثواب کا اور اپنی رضا اور اپنا قرب حاصل کرنیکا ذریعہ بنا دیا ہے معاملات سے مراد مالی لین دین کے معاملات ہیں۔ جیسے قرض امانت خرید فروخت نوکری مزدوری وغیرہ — اور معاشرت سے مراد رہن سہن کا برتاؤ ہے، جو اُن لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن سے کسی قسم کا تعلق اور واسطہ پڑتا ہے خواہ مستقل اور دائمی واسطہ ہو۔ جیسے ماں باپ، اولاد، بھائی بہن اور دوسرے اقارب، اور میاں بیوی کا، یا گھر کے برابر رہنے والے پڑوسی کا — اور خواہ عارضی اور وقتی ہو، جیسا کہ مثلاً سفر کے رفیقوں کا یا مدرسہ یا کارخانہ کے ساتھیوں کا۔

دین میں معاملات اور معاشرت کی خصوصی اہمیت

اخلاق کی طرح دین میں ان دونوں شعبوں کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ بلکہ ان کو دوسرے شعبوں کے مقابلے میں اس حیثیت سے خاص امتیاز حاصل ہے کہ ان میں اپنی دنیوی منفعت اور مصلحت اور اپنی خواہش نفس کی اور اللہ کے احکام کی کشمکش دوسرے تمام شعبوں سے زیادہ رہتی ہے مثلاً کاروبار میں منفعت اس میں نظر آتی ہے اور نفس کی خواہش بھی عموماً یہی ہوتی ہے کہ جھوٹ سچ اور جائز ناجائز کا لحاظ نہ کیا جائے۔ بلکہ جیسا موقع ہو اور جس طرح بھی زیادہ نفع کی اُمید ہو وہ کر گذرا جائے لیکن اللہ کا دین یہ کہتا ہے کہ خبردار چاہے سراسر نقصان ہو، اور چاہے بالکل دوالہ نکل جائے لیکن جھوٹ ہرگز نہ بولو، اور صرف اُس طریقے سے کاروبار کرو جس کو اللہ نے حلال کیا ہے، اسی طرح معاشرت یعنی آپس کے برتاؤ کا حال ہے اُس میں بھی خواہش نفس اور اللہ کے حکم کے درمیان اکثر مقابلہ اور تصادم رہتا ہے۔ اس لئے بندہ کی بندگی اور فرمانبرداری کا سب سے زیادہ سخت امتحان معاملات اور معاشرت کے احکام میں ہے۔

معاملات اور معاشرت کی اہمیت کا ایک دوسرا پہلو:-

اور دوسرا پہلو شعبوں کی اہمیت کا یہ ہے کہ ان کا تعلق اللہ کے بندوں کے حقوق سے بھی ہے

یعنی نماز روزہ اگرچہ ارکانِ دین ہیں اور اس حیثیت سے ایمان کے بعد انہی کا درجہ ہے لیکن وہ صرف حق اللہ ہیں اور جو شخص ان میں کوتاہی کرتا ہے اور اگر توفیق مل جائے اور سچے دل سے استغفار اور توبہ کر کے اپنے گناہ معاف کرائے تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے معافی ہی کی اُمید ہے — لیکن معاملات اور معاشرت میں اگر گڑبڑی ہوئی، تو اللہ تعالیٰ کی بھی نافرمانی ہوئی اور کسی نہ کسی بندے کی اس میں حق تلفی بھی ضرور ہوئی اور بندے تو عموماً ہم جیسے کم حوصلہ اور تنگ ظرف ہیں، وہ تو قیامت میں اپنی پھوٹی کوڑی بھی نہ چھوڑیں گے ایک حدیث کا مضمون ہے کہ:-

"بعض لوگ نماز روزہ اور صدقہ خیرات کی قسم کی بہت سی نیکیاں یہاں سے کما کے لے جائیں گے لیکن اُن کے معاملات اور اُن کی معاشرت خراب ہوگی۔ کسی کا حق مارا ہوگا کسی کا دل دکھایا ہوگا۔ کسی کی غیبت کی ہوگی وغیرہ وغیرہ — "جب وہ محشر میں مقام حساب میں پہونچیں گے تو جن لوگوں کے معاملاتی اور معاشرتی حقوق ان کے ذمہ ہوں گے وہ مدعی بن کر کھڑے ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے انصاف کے طالب ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انصاف اور فیصلہ فرمائیں گے۔ اور اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز روزہ صدقہ خیرات کی قسم کی ان لوگوں کی ساری نیکیاں ان مدعیوں کو دلوادی جائیں گی اور جب ان نیکیوں سے بھی اِن لوگوں کے پورے حقوق ادا نہ ہوں گے۔ تو اُن مدعیوں کے کچھ گناہ ان لوگوں پر لاد دیئے جائیں گے، اور بالآخر یہ لوگ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے"

(رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ)

بہرحال اس پہلو سے معاملات اور معاشرت کی بڑی اہمیت ہے۔ اور غالباً اسی حیثیت سے ایک حدیث میں معاملات اور معاشرت کی اصلاح کو صراحۃً نماز روزہ اور صدقہ خیرات سے افضل بتایا گیا ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد کے حوالہ سے مشکوٰۃ شریف میں نقل کی گئی ہے۔ اسی کے راوی حضرت ابوالدرداء کا بیان ہے کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم سے فرمایا۔

اِلا اُخْبِرُکُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّیَامِ وَالصَّدَقَةِ وَالصَّلٰوۃِ ؟

"کیا میں تمہیں وہ چیز بتاؤں جو روزہ صدقہ نماز سے بھی افضل ہے"

ابوالدرداء بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا، حضرت وہ چیز ضرور بتلایئے — آپ نے ارشاد فرمایا:-

قَالَ اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَیْنِ ھِیَ الْحَالِقَةُ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد۔ مشکوٰۃ)

وہ چیز آپس کے معاملات اور معاشرتی تعلقات کی اصلاح ہے۔ اور ان معاملات اور تعلقات کی خرابی۔ مونڈ دینے والا اُسترا ہے (بال مونڈنے والا اُسترا نہیں، بلکہ دین کا صفایا کر دینے والا اُسترا)۔

ان دو ہی حدیثوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں معاملات اور معاشرت کی اصلاح و درستی کی کتنی اہمیت ہے — افسوس! آج کل کے بہت سے اچھے خاصے دیندار حلقوں میں بھی معاملات اور معاشرت کی اصلاح و درستی کا اتنا اہتمام نہیں جتنا کہ ہونا چاہیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ جن کی حالت نماز روزہ وغیرہ عبادات کے لحاظ سے کچھ غنیمت بھی ہے، معاملات اور برتاؤ اُن کے بھی اسلامی نہیں — ایسی حالت میں عبادتیں اور دُعائیں کیا قبول ہوں۔

مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ مسند احمد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنِ اشْتَرٰی ثَوْبًا بِعَشَرَةِ دَرَاھِمَ وَفِیْهِ دِرْھَمٌ حَرَامٌ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰهُ تَعَالٰی لَهٗ صَلٰوۃً مَا دَامَ عَلَیْهِ — ثُمَّ اَدْخَلَ اِصْبَعَیْهِ فِیْ اُذُنَیْهِ وَقَالَ صُمَّتَا اِنْ لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُهٗ۔

جس شخص نے دس درہم کا کوئی کپڑا خریدا، اور ان دس درہموں میں ایک درہم حرام ہے (جو کسی ناجائز ذریعہ سے حاصل ہوا تھا) تو جب تک وہ شخص اُس کپڑے کو پہنے رہے گا اُس کی کوئی نماز بھی اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا — حضرت عبداللہ بن عمر رض نے یہ حدیث سُنا کر اپنے کانوں میں انگلیاں دے کر سامعین سے فرمایا کہ بہرے ہو جائیں میرے یہ کان اگر میں نے حضور سے یہ بات نہ سنی ہو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا

پھر اسکے بعد آپ نے رزق طیب حاصل کرنیکی تاکید فرمائی،

لہ اللہ تعالیٰ خود پاک ہے وہ صرف پاک مال ہی کو قبول کرتا ہے۔ ۱۲

دعوت اسلامی:-

ہماری زندگی کا کچھ حصہ زائد ہے، کچھ نظر ثانی کا محتاج ہے اور کچھ حذف کر دینے کے قابل ہے

مولانا ابوالحسن علی ندوی

ہم سب لوگ خدا کے فضل و کرم سے مسلمان ہیں ملت کے مسائل کا احساس بھی رکھتے ہیں۔ لیکن زندگی ایسی رواں دواں ہے اور معیارِ زندگی کے مطالبات اتنے آگے بڑھ گئے ہیں، ہمارا چھوٹا سا خاندان جو ہماری محدود دنیا ہے اور ہمارے معاشرے ضروریات مطالبات اور اس کے تقاضے اتنے زیادہ ہو گئے ہیں۔ اور ان کا پورا کرنا اتنا وقت اور اتنی صلاحیت چاہتا ہے کہ ہمیں کسی مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنے کی مہلت نہیں ملتی اور اگر ملتی ہے تو بہت دلوں کے بعد۔ صورت حال کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ زندگی اب ہمارے قابو میں نہیں ہے بلکہ ہم خود زندگی کے قابو میں ہیں۔ ہم زندگی کے دوش پر سوار نہیں ہیں۔ بلکہ زندگی ہمارے دوش پر سوار ہے وہ ہمیں بھگائے لئے جارہی ہے ضروریات تازیانہ کا کام کرتی ہیں، وقت کے تقاضے مہمیز بن جاتے ہیں۔ اور ہم زندگی میں جتے ہوئے ہیں زندگی ہم کو ہانک رہی ہے۔

یہ زمانہ کا ایک بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے مغرب میں زیادہ اور مشرق میں کم لیکن ہے یہ ایک ہی دھارا، جس میں سب کے سب بہے چلے جارہے ہیں۔ کہیں یہ دھارا طغیانی کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اور کہیں بہت تیز بہہ رہا ہے۔ اور کہیں ابھی دھیما ہے لیکن سب کے سب زندگی کے سیلاب میں بہے چلے جارہے ہیں۔ اور خود بے قابو ہو کر چکے ہیں۔ یہ زندگی ہمیں اس کا موقع نہیں دیتی کہ ہم غور کریں کہ اتنا حصہ زائد ہے۔ کتنا نظر ثانی کا محتاج ہے۔ اور کتنا حذف کر دینے کے قابل ہے یہ زندگی پیر تسمہ پا کی طرح ہماری گردنوں پر سوار ہے۔ ہم ہزار اس کو چھڑانا چاہیں وہ نہیں چھوٹتی بلکہ ہم جتنا چھڑانے کی کوشش کریں گے اتنی وہ چمٹی جارہی ہے اور اس کا حلقہ تنگ ہو رہا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ زندگی کے جو حقیقی ضروریات اور حقیقی مقاصد ہیں جن کے لئے زندگی دی گئی ہے ان پر غور کرنے کی مہلت ہی نہیں ملتی صبح سے شام تک ایک ہی فکر ہے جیسا کہ شیخ سعدی نے کہا تھا۔

چہ خورد بامداد فرزندم

صبح سے شام تک یہی فکر ہے جیسا کہ شیخ سعدی نے کہا تھا۔ کیا کھائیں گے اور ہمارے چھوٹے سے کنبے کی ضروریات کیسے مہیا ہوں گی۔ اور ہم دنیا میں کس لئے آئے۔ کیا صرف کھانے کمانے اور پیٹ بھرنے کے لئے؟ یا اس سے کچھ بلند مقاصد اور اس سے لطیف تر مقاصد بھی تھے؟ یہ بات ایسی فراموش ہوگئی ہے اور نگاہوں سے اس طرح اوجھل ہوگئی ہے کہ اس کو یاد دلانے کے لئے بہت بڑی شخصیت کی بہت بڑی طاقت کی بہت بڑی تحریک کی بہت بڑے انقلاب کی کسی غیر معمولی اور بہت بڑے واقعے کی ضرورت ہے۔ مثلاً یہی شہر ہے اگرچہ یہ شہر بمبئی کلکتہ یا بعض مغربی شہروں کی طرح نہیں ہے کہ یہاں آدمی کو آدمی سے بات کرنے کی فرصت نہ ہو۔ ہمارے اس شہر کی تعریف کی جاتی ہے کہ مشرقیت ہے۔ سکون ہے۔ اعتدال ہے اور فطرت کی کچھ نمود نظر آتی ہے اس کے باوجود یہ حال ہے۔ کہ کسی کا کسی سے ملنا اپنی ذاتی ضروریات کے علاوہ کسی موضوع پر گفتگو کرنا اور اجتماعی طور پر غور و فکر کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ جو طبقہ جس میدان سے جس دائرہ عمل سے بلکہ جس معاشی ذریعے سے تعلق رکھتا ہے اس میں منہمک ہے۔

وکیلوں کا ایک خاص ماحول ہے، مؤکلوں کی آمد، فائلیں مقدمات کی تیاری، وکیلوں سے ملنا اور مشورہ کرنا عدالت کے لئے تیاری کرنا اور وہاں سے آکر تھوڑا سا اپنے کو تازہ کرنے کی کوشش کرنا اور کچھ ریفریشمنٹ کے بعد پھر محنت شروع کر دینا، صبح کی چہل قدمی میں، میں نے دیکھا ہے جو خالص تفریح کا وقت ہے جس کے ذریعہ ذہن کو تازہ و شاداب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور انسان چاہتا ہے۔ کہ اپنی معمول کی زندگی سے اکتا دینے والے ماحول سے تھوڑی دیر کے لئے بالکل نکل جائے۔ وہاں بھی وکیلوں کی پارٹیاں الگ بن جاتی ہیں۔ سکریٹریٹ کے ملازمین دو چار اگر اتفاقاً ایک ساتھ ہو گئے۔ تو ان کی ایک الگ پارٹی بن جاتی ہے اور ان کی پوری چہل قدمی میں وہی ایک موضوع ہوتا ہے جس سے اکتا کر اور بھاگ کر یہاں آئے تھے۔

زندگی کے جھمیلوں، اسکے مسائل اور اکتا دینے والے ماحول سے نجات پانے کے لئے لوگ کسی دریا کے کنارے کسی خوبصورت پارک یا کسی پرسکون باغ کا انتخاب کرتے ہیں۔ کہ تھوڑی دیر کے لئے زندگی کے طوفان اور اسکے تھپیڑوں سے نجات حاصل کر سکیں۔ اور اطمینان و سکون کی سانس لے سکیں

لیکن میں نے اکثر دیکھا ہے کہ زندگی کے مسائل اور اس کے مشاغل وہاں بھی پہنچ جاتے ہیں۔ بلکہ شاید ان سے پہلے ہی پہونچ جاتے ہیں اور ان کا استقبال کرنے کے لئے تیار کھڑے رہتے ہیں۔ وہی مقدموں کے تذکرے دفتر کے قصے، تبادلے کی باتیں بالائی آمدنی کی پیمائش اور ترقی و تنزلی کا تذکرہ شروع ہو جاتا ہے۔

کبھی کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ صبح چہل قدمی میں مختلف پارٹیاں گذرتی ہیں۔ اگر ایک پارٹی وکیلوں کی ہے تو مقدموں کی باتیں، دوسری پارٹی سکریٹریٹ کے ملازموں کی ہے تو ملازمت کی باتیں، کوئی پارٹی تاجروں کی ہے۔ تو تجارت کی باتیں، ان سب میں جو چیز مشترک ہے وہ ہے دولت بڑھانے کے قصے، اور ان کی فکر اگر کوئی اپنے پیشے کی باتیں نہیں کرتا ہے تو ایک تذکرہ تو عام ہے جو سب پر چھایا ہوا ہے۔ کہ فلاں شخص نے اتنی مدت میں اتنا پیسہ پیدا کر لیا۔ فلاں نے ایک کوٹھی بنوائی، اس پر اندازہ ہے کہ اتنے لاکھ خرچ ہوں گے۔ فلاں آدمی نے نئے ماڈل کی کار خریدی۔ فلاں کی شادی اتنے دھوم دھام سے ہوئی۔ فلاں کو اتنی آمدنی والا داماد ملا۔ غرضیکہ گھوم پھر کے وہی دولت وہی زندگی، وہی ترقی اور وہی مادی زندگی اس کے ذہن و دماغ پر مسلط رہتی ہے۔ اب بتایئے کہ وہاں تفریح کیسے ہو۔ تفریح تو نام ہے تبدیلی کا، آپ کوئی کتاب پڑھ رہے ہوں۔ پڑھتے پڑھتے تھک گئے ہیں تو دوسرے موضوع کی کتاب شروع کر دیجئے۔ کوئی دوست آجائے اس سے تھوڑی دیر بات کر لی جائے یا چائے پی لی جائے۔ غرضکہ موضوع بدل جائے ذہن کا رخ اور دھارا بدل جائے۔

اب بتایئے کہ جب تفریح کا سامان نہیں تو صحت کے لئے ضروری ہے اور بنیادی اہمیت رکھتا ہے پھر ملت کے مسائل مسلمانوں کے مسائل اور پھر اس سے بڑھ کر شہر اور صوبے کے مسائل اور ہندوستان کے مسائل پر غور کرنے کے لئے وقت کہاں سے نکلے اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ بہت نازک مسئلہ ہے۔ تاریخ میں کئی کئی برسوں کے بعد ایسا کوئی موڑ آتا ہے جب مسائل بہت پیچیدہ اور نازک ہو جاتے ہیں۔ ان میں دیر کی بات ہوتی ہے وہ فوری طور پر حل طلب ہوتے ہیں۔ قوموں کی زندگی اور مستقبل کا انحصار اسی پر ہوتا ہے اور فوری طور پر یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ یہ قوم باقی رہے گی یا مٹ جائے گی۔ آج ہندوستانی مسلمان اسی نازک دور سے گذر رہے ہیں۔

مولانا احمد احتشام الحسن صاحب
کاندھلوی

مطالعہ و تحقیق

محبت اہل بیت کی حقیقت — اس کی ذمہ داریاں اور فرائض

اس کے لئے ہمارے سامنے دو صحیح معیار رکھے گئے ہیں جو سادات کرام ان معیاروں کے مطابق ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلک پر قائم ہیں ان کے ساتھ ربط و تعلق اور ان کی عظمت و محبت اب اللہ اور رسول پر ایمان کا خاصہ ہے اور جو ان صحیح معیاروں سے ہٹے ہوئے ہیں وہ خود صحیح راستے سے ہٹے ہوئے ہیں اور اللہ و رسول کے برگشتہ ہیں۔ پھر ان کا ربط و تعلق ایمان کا خاصہ نہیں بلکہ اللہ اور رسول پر ایمان کے منافی اور متضاد امر ہے۔ ایسے سادات سے بے تعلقی ہی ایمان کا خاصہ اور لازمہ ہے پہلا معیار یہ ہے کہ ان کی زندگی افکار و اعمال کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے موافق ہوں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تم میں دو وزنی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں میرے بعد جب تک تم ان دونوں سے پورے طور پر وابستہ ہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے ان میں ہر ایک دوسرے سے اعظم ہے ایک اللہ کی محکم کتاب جو ایسی رسی ہے کہ آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے (اس سے وابستگی ہی خدا تک رسائی کا واحد ذریعہ ہے) دوسرے میرا کنبہ اور میرے اہل بیت۔ ان دونوں میں (فکری اور حیثیت سے) اس وقت تک فرق نہ آئے گا جب تک کہ یہ دونوں حوض کوثر پر میرے روبرو آئیں گے۔ اب میں دیکھوں گا کہ میرے بعد تم ان دونوں کے بارے میں کس طرح معاملہ کرو گے۔ (رسالہ حضرت مجدد الف ثانی)

گمراہی سے بچنے اور راہ ہدایت پر مستقیم قائم رہنے کے لئے دو ہی مستحکم ذریعے ہیں کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اہلبیت اور کینبے والے جو کتاب اللہ کے فکری اور عملی اتباع اور ترجمان ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل طریق کو قائم رکھنے والے ہیں اور سادات کرام اہل بیت عظام میں ایک گروہ ایسا ضرور رہے۔ جو کتاب و سنت کے طریقوں کو قائم رکھے گا اور آپ کا صحیح وارث و جانشین ہو گا۔ اور آپ کی تعلیمات کو جاری رکھے گا۔ اور جو لوگ فکری اور عملی حیثیت سے کتاب و سنت کو چھوڑے ہوئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے ہٹے ہوئے ہیں آپ کی تعلیمات اور ہدایات کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ نہ وہ آپ کے وارث و جانشین ہیں اور نہ ان کو وارث و جانشین قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ اس حیثیت سے وہ آپ کے اہل بیت اور اہل و عیال شمار ہو سکتے ہیں اگرچہ ان کا ظاہری سلسلہ نسل اور شجرہ نسب آپ تک پہونچتا ہو۔ کیوں کہ انبیاء سابقین علیہم السلام میں ان کے اہل و عیال وہی لوگ قرار دیئے گئے ہیں جو ان کی تعلیمات کے حامل اور محافظ تھے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کے متعلق جو اللہ اور رسول سے برگشتہ تھا ارشاد ربانی ہے

بیشک یہ لڑکا تمہارے اہل و عیال سے نہیں ہے کیونکہ یہ برے عمل اختیار کئے ہوئے ہے ؎

پسر نوح با بدان بنشست
خاندان نبوتش گم شد

حدیث میں ایک تمثیل کے ساتھ بھی اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑے ہوئے تھے اس وقت آپ نے فرمایا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ ارشاد فرما رہے تھے۔ ان مثل اھل بیتی فیکم مثل سفینۃ نوح من رکبہا نجی ومن تخلف عنہا ھلک خبردار ہو میرے اہلبیت کی مثال تم میں نوح علیہ السلام کی کشتی جیسی ہے جو اس میں سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جو اس سے رہ گیا وہ ہلاک ہوا) اور سفینہ نوح سے تخلف کرنے والوں میں ان کا وہ برگشتہ لڑکا بھی تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کے کہنے کے باوجود کشتی میں سوار نہ ہوا اور غرق و ہلاک ہوا۔

... معاف ہے کہ اس سے کوئی ذی عقل انسان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ دوسرا معیار یہ ہے کہ اس کے افکار و اعمال آپ کے اصحاب کرام کے افکار و اعمال کے موافق ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت میں بھی وہ امور ضرور پیش آئیں گے جو بنو اسرائیل میں پیش آئے ہیں بالکل قدم بہ قدم حتی کہ بنو اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا ہو تو میری امت میں بھی وہ شخص ہو گا جو ایسا کرے گا۔ اور بنو اسرائیل کے بہتر فرقے ہوئے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے جو ایک کے سوا سب کے سب جہنم میں ہوں گے۔

صحابہ نے عرض کیا وہ ایک کون ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟

آپ نے ارشاد فرمایا وہ ایک فرقہ وہ ہے جو میرے اور میرے اصحاب کے طریق پر ہو گا (مشکوٰۃ از ترمذی)

اور امام احمد اور ابوداؤد کی روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا انہ سیخرج فی امتی اقوام تتجاری بہم الاھواء کما تتجاری الکلب بصاحبہ لا یبقی منہ عرق ولا مفصل الا دخلہ (مشکوٰۃ)

عنقریب ہی میری امت میں ایسے گروہ پیدا ہوں گے جن میں خواہشات اسی طرح سرایت کریں گی جیسا کہ کتے (کے کاٹنے) کا اثر اس میں سرایت کرتا ہے جس کو کاٹتا ہے اس کا کوئی رگ و ریشہ ایسا نہ ہو گا جس میں داخل نہ ہوں گی۔

پس مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع کے مطابق ملت اسلامیہ میں متعدد فرقوں اور خود غرضوں کا پایا جانا تو ایک ناگزیر امر ہے۔ لامحالہ مختلف اغراض پرست فرقے پیدا ہوں گے جو پیدا ہوئے اور پیدا ہو رہے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ مگر ان میں فرقہ ناجیہ ایک ہی ہے۔ باقی سب گمراہی میں مبتلا کرنے والے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی اپنے ایک مکتوب میں مرزا حکیم فتح اللہ صاحب کو تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں تہتر فرقے ہیں اور ہر فرقہ اتباع شریعت کا مدعی بن کر اپنی نجات کا یقین رکھتا ہے۔ حالاں کہ ان کی شان یہ ہے۔ کل حزب بما لدیہم فرحون ہر گروہ ان امور میں مگن ہے جو وہ لئے ہوئے ہے۔ لیکن پیغمبر صادق صلی اللہ (علیہ) من الصلوٰۃ افضلہا ومن التسلیمات اکملہا) نے ان متعدد فرقوں میں سے اس ایک فرقہ ناجیہ کی شناخت میں فرمایا ہے۔ الذین ھم علی ما انا علیہ واصحابی یعنی وہ ایک فرقہ ناجیہ وہ لوگ ہیں جو اس طریقہ پر ہیں جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحاب ہیں۔

اس جگہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کا ذکر کافی ہونے کے باوجود آپ نے اپنے صحابہ کا ذکر اس لئے فرمایا کہ معلوم ہو جائے کہ جو آپ کا طریق ہے وہی آپ کے اصحاب کا بھی طریق ہے اور نجات کا طریق آپ کے اصحاب کے طریق کا اتباع ہی ہے۔ جیسا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی۔)

[illegible]

بعض عرب مقامات جن کے ناموں میں تبدیلی ہوئی

مولانا محمد رابع ندوی

ایک عرب شاعر کا طرب انگیز شعر ہے ؎

سقونی وقالوا لا تغن ولو سقوا
جبال سلیمیٰ ما سقیت لغنت

مجھے لوگوں نے جام پلائے پھر کہنے لگے "گانا نہیں" حالانکہ مجھے پلائے ہوئے جام اگر سلیمیٰ پہاڑ کو پلاتے تو وہ بھی گانے لگتے۔

اس شعر کے پڑھنے یا سننے سے کسی بھی باذوق شخص کے دل میں جو اہتزاز اور مستی کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے اس کا براہ راست تعلق سلیمیٰ پہاڑ سے تو نہ ہو گا کیونکہ وہ اپنی شکل و ہیئت اپنی ادبی یا ثقافتی خصوصیات کے لحاظ سے غالباً کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتا، لیکن اسکو کیا کیجئے گا کہ اس شعر میں ہوئے ہوئے خیال کی جدت اور اس کی شاعرانہ لطافت کے ساتھ اس پہاڑ کا نام بھی خود بخود ایک طرح کی جدت و لطافت کا مظہر بن گیا ہے۔ چنانچہ جزیرۃ العرب کی سیاحت کرنے والے کسی بھی باذوق شخص کو طبعی طور پر یہ معلوم کرنے کا شوق ہو گا کہ وہ سلیمیٰ نامی پہاڑ کہاں ہے جس کو فلاں شاعر نے اپنے لطیف و طرب انگیز شعر کے ساتھ ایک طرح سے اہم اور جاوید بنا دیا۔

اسی طرح ما قبل اسلام کے ایک مکی شخص کا یہ شعر پڑھئے کہ ؎

کأن لم یکن بین الحجون الی الصفا
انیس ولم یسمر بمکۃ سامر

جس میں یہ شاعر مکہ کے چھوٹنے پر حسرت کے جذبات میں ڈوبے ہوئے اپنے ایک قصیدے کے اس شعر میں کہتا ہے کہ گو حجون سے صفا تک کے علاقہ میں کوئی انیس دوست تھا ہی نہیں اور گویا مکہ میں کبھی کسی محفل نواز نے محفل نوازی کی ہی نہیں۔

یہ شعر قبیلہ جرہم کے ایک شخص مضاض بن عمرو کا ہے جس کے قبیلہ کو مکہ چھوڑ دینے پر اس کے دشمن نے مجبور کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں مضاض مکہ کو صرف دور سے دیکھ کر حسرت کرتا رہا اور مکہ میں اپنے قیام کی یادوں کو اشعار میں ظاہر کرتا رہا بہرحال اس شعر کا سننے والا اس بات کا ضرور خواہشمند ہو گا کہ اس کو الحجون اور الصفا کا علم ہو سکے۔ صفا تو خیر حج کی وجہ سے زندہ جاوید اور معروف ہے لیکن الحجون کا نام بدل جاتا اور اس کا جائے وقوع بالکل غیر معروف ہو جاتا تو کچھ تعجب کی بات نہ تھی۔ کیونکہ اس مقام کی کوئی خاص تاریخی یا مذہبی اہمیت نہیں سمجھی جاتی لیکن اتفاق کی بات ہے کہ الحجون بھی اس وقت تک اپنے قدیم نام سے باقی ہے اور شہر کا ایک محلہ ہے۔ شہر کی آبادی شاعر کے زمانہ میں غالباً صرف حجون سے صفا تک ہی تھی اسلئے شاعر نے مکہ کے لئے شہر کے صرف ان ہی دونوں مقامات کا ذکر کافی سمجھا۔ بہرحال عرب اور غیر عرب علاقوں میں ہر جگہ ایسے بے شمار مقامات پائے جاتے ہیں جہاں شہرت رکھنے والے یا کسی ثقافتی یا دینی اہمیت کے حامل حضرات پیدا ہوئے وہ وہاں رہے یا وہاں سے گزرے، اور اس طرح سے انھوں نے ان مقامات کو اپنے ربط و تعلق سے کچھ نہ کچھ خصوصیت و اہمیت کا مالک بنا دیا بمرور زمانہ سے ان مقامات کے نام بدل گئے یا ان میں کوئی ایسی تبدیلی آ گئی جس کی وجہ سے انکا صاف طور پر پہچاننا مشکل ہو گیا۔ مثال کے طور پر جزیرۃ العرب دومۃ الجندل نامی مشہور مقام کو لیجئے جس کا تذکرہ سیرت و تاریخ میں خاصا ملتا ہے جہاں ایک مشہور قلعہ تھا اور جہاں کا حاکم عہد رسالت میں اکیدر رومی کے نام سے معروف تھا۔ اور شام سے حجاز آنے جانے والے یہاں سے گزرا کرتے تھے۔ اب اپنے قدیم نام سے معروف نہیں رہا وہ اگرچہ اب بھی ایک بڑی بستی ہے اور نجد کے شمال میں واقع صحرائے نفود کے شمالی کنارے پر نخلستانی خطہ میں آباد ہے۔ اور اپنے علاقہ کا ایک ممتاز شہر ہے۔ لیکن اس کا دومۃ الجندل نام متروک ہو چکا ہے اور اب وہ جوف کے نام سے موسوم ہے اور اسی نام سے نقشوں پر دکھائی جاتی ہے۔

اب ذرا اس دومۃ الجندل کے جنوب میں واقع جزیرۃ العرب کی پوری سطح مرتفع کو لیجئے جس کے خاص علاقے جبال طے، نجد اور یمامہ کے خطے رہے ہیں خاص طور پر جبال طیٔ اور نجد جن کے شعراء نے اپنے اپنے وطنوں سے محبت کا خاصا اظہار کیا ہے اور اس سے جدائی پر خاصا اظہار جذبات کیا ہے جبال طیٔ کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

الی الجبلین

اور نجد کا ایک شاعر جو یمن میں قید ہوا تھا کہتا ہے ؎

لاحبذا انت یا صنعاء من بلد
ولا شعوب ھوی منی ولا نقم
وحبذا حین تمسی الریح باردۃ
وادی اشی وفتیان بہ ھضم

ان دونوں شعروں میں یہ بات جاننے کی ضرورت محسوس ہو گی کہ یہ جبلین اور وادی اشی اور یہ جبال طیٔ اور نجد عہد قدیم میں کیا معنی رکھتے تھے اور اب جدید ناموں سے ان کی مطابقت کس حد تک ہے۔

جبال طے جس نے بکثرت اچھے شعراء پیدا کئے جن کے اشعار میں عشق کے اور محبت وطن کے والہانہ جذبات پائے جاتے ہیں اور جو حاتم طائی جیسے فیاض اور داؤد طائی جیسے ولی حضرات کا آبائی وطن ہے وہ ایک ایسے خطے کا نام رہا ہے جو نجد کے شمال میں واقع آجا سلمیٰ نامی دو پہاڑوں اور ان کے درمیانی میدان پر مشتمل ہے اس کا طول و عرض ۴۰۔۵۰ میل کا ہے جس میں مشہور شہر حائل اور اس سے کچھ کم درجہ کا شہر فید آباد ہے اور دونوں اپنے قدیم نام سے تا حال موسوم ہیں البتہ جبال طے کا نام اب وہ نہیں رہا جو پہلے تھا اس کے بجائے اب اس کے لئے شمر کا لفظ استعمال ہونے لگا۔

یہ علاقہ قبیلہ طے کا مسکن تھا اور چونکہ ان کی نسل میں شمر نامی ایک مشہور شاخ ہوتی تھی اسلئے اسکے نام سے یہ علاقہ موسوم ہو گیا۔ اور اب اسی سے معروف ہے اور چونکہ اس علاقہ کے مشہور اور اہم ترین حصے اس کے دونوں پہاڑ ہیں جن پر یہاں کی شادابی اور سرسبزی کا بھی بہت انحصار ہے اس لئے عہد قدیم میں انہی پہاڑوں کے ربط سے اس علاقہ کو جبال طے یا جبلین کے نام سے موسوم کیا گیا۔

قبیلہ طے کے تذکرہ کے ساتھ یہ بات بتانا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ قبیلہ طے ہی وہ قبیلہ ہے جس کی معرفت و وساطت سے عہد قدیم میں ایرانی لوگ عربوں سے واقف اور مانوس ہوئے تھے لہٰذا وہ اپنے اسی انفرادی تعارف کی وجہ سے سارے عربوں کو تازی کہا کرتے تھے جو کہ تائی کی بدلی ہوئی شکل ہے۔

شمر کا یہ مذکورہ علاقہ اب عرصے سے سعودی مملکت ہی کا ایک جز بلکہ اس کے صوبہ نجد کا شمالی حصہ ہے رہا علاقہ نجد کا، نجد نام تو وہ اب اپنے قدیم حدود تک محدود نہیں رہا وہ اپنی قدیم اصطلاح کے مطابق حب وطن، فخر و بہادری نیز دوسرے موضوعات پر زوردار شاعری کا گہوارہ بنا۔ جس سے نہ صرف یہ کہ عربی ادب مالدار ہوا بلکہ غزل کے موضوع کو یہاں سے بعض اچھی تلمیحات ملیں اور یہاں کے شعراء نے عربی شاعری میں اچھا نام پیدا کیا۔ مسلمانوں کی شاعری میں صبا کا لفظ یہیں سے آیا اور دنیا کی متعدد زبانوں میں جذبات محبت کے اظہار کے لئے ایک اچھی تعبیر بنا یہاں کے عرار، غضا اور بان کے پودے عربی کی قدیم وجدانی شاعری میں اچھے رمز و تعبیر کی حیثیت سے استعمال ہوئے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

الا یا صبا نجد متی ھجت من نجد
لقد زادنی مسراک وجدا علی وجد

(باقی صفحہ ... پر)

تالمود .... جو یہودیوں کی نگاہ میں توریت سے زیادہ مقدس ہے

حکیم محمد کامل بحرالعلومی
فرنگی محل

"تالمود" دینی اور شرعی کتاب نہ ہوتے ہوئے بھی یہودیوں کے یہاں توراۃ سے زیادہ افضل و مقدس سمجھی جاتی ہے۔ اور وہ اس کو اپنی شریعت کی کتاب بتاتے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک ہولناک سیاسی پروگرام ہے جسکو حاخاموں "یہودی مجتہدوں" نے ترتیب دیا ہے۔ تاکہ اس خطرناک سازشی پروگرام کے مطابق سیاسی کارروائیاں عمل میں لائی جائیں۔ یہ سلسلہ سیکڑوں برس سے چل رہا ہے۔ ہم یہاں تالمود نامی سیاسی پروگرام پر روشنی ڈالینگے جو درحقیقت صہیونی تشدد پسند ذہنیت کا آئینہ دار ہے۔

ڈاکٹر بلال فارحی (یہودی) نے اپنی کتاب "دلالۃ الحاسس الدین" میں تالمود کی حقیقت پر بہت صراحت سے روشنی ڈالی ہے کہ یہودی اس کو کیا سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:-

کہ یہودیوں کے قول کے مطابق "تالمود" زبانی توراۃ کا نام ہے۔ جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہی وہ ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں دینی، ادبی اور سماجی قواعد و ضوابط اور وصیتیں درج ہیں۔ "تالمود" تعلیمات، روایات اور تقریروں کی اس شرح کا مجموعہ ہے جو ہر زمانہ اور ہر دور میں ایک سے دوسرے کو زبانی پہنچتا رہا۔ یہ مدت "درس تالمود کے عہد زرتیں" سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اس کا درس اور تعلیم اسقدر بڑھ چکی تھی کہ اسکو یادداشت میں محفوظ رکھنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ ہمیشہ مطالعہ میں رکھنے اور اس کی آیتیں، اقوال اور مختلف رائیں یاد رکھنے کے لئے۔ اسکو تحریری شکل دی گئی ہے تاکہ لوگ اسکو بھول نہ جائیں اور امتداد زمانہ سے یہ ضائع نہ ہو جائے ان تمام وجوہ کی بنا پر حاخاموں نے اس کو لکھ کر اپنے نزدیک توراۃ کے گرد چہار دیواری قائم کر دی۔ نیز اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت کے طور پر تسلیم کر لیا یہ حاخام "تنائیم" کہلاتے تھے (تنائیم ......) علما تھے جو "المجمع الاکبر" کے بعد پیدا ہو گئے تھے۔

ان کا سرگروہ "شمعون الصدیق" تھا۔ ان کا زمانہ سنہ ۲۰۰ء تک ۲۱۰ سال رہا۔ انہیں بھی دو گروہ ہو گئے تھے پہلا شمعون کا گروہ ہلیل اور شمای تک تھا۔ علماء یہود کے اس فرقہ کے لوگ "ربان" کہلاتے تھے۔ اور دوسرا گروہ "ربی رباہ بجا" کا تھا جس کے علماء "ربی" کہلاتے تھے اسوقت ہمارے سامنے دو نسخے ہیں:-

(۱) اورشلیمی تالمود۔ (۲) بابلی تالمود۔

اورشلیمی تالمود۔ جو اورشلیم کی طرف منسوب ہے۔ اسکو اورشلیم کے احبار نے طبریہ میں تیار کیا تھا جو "اموراکیم" کہلاتے تھے (اموراکیم کے معنی ہیں "مفسر" یا "متکلم") وہ طبریہ، سفورس، قیصریہ کے فلسطینی علماء تھے اور سورا کے بابلی علماء تھے۔ انکا زمانہ ربی یہودا کے بعد ۲۸۰ سال رہا ہے۔ .... تک، ان علماء کو فلسطین والے "ربی" اور بابل والے "رب" کہتے تھے) اورشلیمی تالمود کا زمانہ چوتھی صدی عیسوی میں تھا۔ یہ تالمود ایرانی زبان میں ۳۹ بحثوں پر مشتمل اور مختصر تھی۔ اسکی تحریر کا زمانہ فلسطین میں فتنہ و فساد کا زمانہ تھا۔

بابلی تالمود کو "رب اشی" صدر اکاڈمی نے بغداد سے متصل "سورہ" میں بابل کے یہودی احبار کی مدد سے مدوّن کیا۔ اس کی تدوین پانچویں صدی عیسوی میں عمل میں آئی۔ یہ اورشلیمی تالمود سے زیادہ مشرح اور مفصل تھی۔ یہ اس زمانہ میں لکھی گئی۔ جب بابل میں یہودی امن و سکون کی زندگی گذار رہے تھے اورشلیمی تالمود کی تقریباً چوگنی ہے اور اس میں آرامی زبان میں ۶۳ بحثیں ہیں۔ آرامی وہاں کی مقامی زبان تھی اور سریانی زبان سے ملتی جلتی تھی۔ اسکی شرحیں اور بعض اقتباسات عبرانی زبان میں لکھے گئے۔

تالمود دو حصوں پر مشتمل ہے ایک نام "مشنا" ہے اور دوسری کا "گمارا" "تالمود" عبرانی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی ہیں۔ تعلیم "مشانہ" کے معنی ہیں۔ تعلیم اور مطالعہ "گمارا" کے معنی ہیں۔ تکمیل۔ تالمود کے کچھ ضمیمے بھی ہیں جو "مشالوت" کہلاتے ہیں، جنکا اضافہ ربی حیا اور ربی دشعیا نے کیا۔ یہ اضافہ تالمود کی شرح "راشی" پر درمیان صدیوں میں کیا گیا۔

(۱) مشنا

مشنا زبانی شریعت کا خلاصہ ہے۔ اس میں یہودیوں کے سیاسی، تمدن اور دینی قوانین اختصار کے ساتھ درج ہیں۔ جنہیں یہودیوں کے مستند علماء نے مختلف اوقات میں ترتیب دیا۔ اس کی ترتیب و تدوین کی ابتداء ربی شمعون بن جملیئل نے اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کی مدد سے بمقام طبریہ سنہ ۱۳۶ء میں کی اور ربی یہودا رئیس السنہدرین (یہودی عدالت عالیہ کے چیف جسٹس) نے اپنے شاگردوں کی مدد سے سنہ ۲۱۶ء میں، باضافہ حواشی و تفاسیر پایۂ تکمیل کو پہنچایا چھٹی صدی عیسوی کے نصف میں اسکے چھ اجزاء منضبط ہو چکے تھے جو ۶۳ بحثوں پر مشتمل تھے، جن میں سے کچھ اورشلیمی تالمود میں بھی موجود ہیں (اس کا پہلا جز زراعت اور عبادت اور برکات پر مشتمل ہے دوسرے جز میں عیدوں اور سبتوں پر بحث کی گئی ہے تیسرا جز عورتوں سے متعلق ہے۔ جس میں نکاح اور طلاق کے احکام پر روشنی ڈالی گئی ہے چوتھے جز میں مالیات کے احکام کا بیان ہے۔ پانچویں جز میں ذبیحوں اور قربانیوں کے احکام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چھٹے جز میں طہارت اور نجاست کے احکام کا بیان ہے۔ اسکا پہلا ایڈیشن سنہ ۱۴۹۲ء میں شائع ہوا)

(۲) گمارا۔

گمارا کی بنیاد روایات، احادیث، حاخاموں کے ملفوظات، اور مشنا کی شرحوں اور تفسیروں پر ہے۔ نیز اس میں وہ بحثیں اور اختلافات درج ہیں جو مدرسوں میں ان شرحوں اور تفسیروں کے دوران میں سامنے آئے اس میں بعض غیر ضروری چیزیں بھی ہیں مثلاً: ادبیات، مختلف مقامات سے موصول ہونے والے سوالات، معتقدات، دینوی خبریں، طبی اور فلکی معلومات وغیرہ اس کی حیثیت انسائکلوپیڈیا جیسی ہے

ڈاکٹر فارحی (یہودی) لکھتے ہیں کہ علماء تالمود اپنی روزانہ کی بحثوں سے فرصت پا کر اپنے ادبی شہ پارے جمع کرتے تھے، جو ہمارے لئے اچھی مثال اور قابل تقلید اسوہ کا کام دیتے ہیں تالمود ایک اہم اور مقدس کتاب ہے۔ اور اس کی تعلیمات بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہیں جن سے ہم اچھائی اور برائی، احسان، محبت، شفقت، عدل اور تقوے کے سبق سیکھتے ہیں وہ ہم میں بے انتہا شریفانہ جذبات پیدا کرتی ہے۔

تالمود کے بہت سے مفسر فرانس، اسپین وغیرہ میں پیدا ہوئے جن میں سے ہم یہاں چند کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ ربی شلومو لیحاقی "مفسر شریعت" تھا۔ جو فرانس میں پیدا ہوا۔ مشہور علامہ "موسیٰ بن میمون، عرف میمونی" جو "بہارمیم" تھا اسپین کے شہر قرطبہ میں پیدا ہوا قاہرہ میں مرا اور طبریہ میں دفن کیا گیا عالم "ربینو عوبدیا" نے اسرائیلیوں کی خدمت کے لئے تالمود کا خلاصہ تیار کیا اور اپنے ماخذ کو سہل بنانے کے لئے اسکا نام "مشنا توره" رکھا۔ ایک یوروپین مصنف کی رائے تالمود کے متعلق حسب ذیل ہے:-

عنقریب ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ لوگ جان جائینگے کہ تالمود دنیا کی اہم ترین کتاب ہے۔

آٹھویں صدی عیسوی میں ایک یہودی عالم بغداد میں گذرا ہے جس کا نام "داؤد عنان" تھا۔ وہ یہودیوں کے فرقہ "قرائیین" کا پیشوا تھا۔ اس نے تالمود اور حاخاموں کی تعلیم کو ٹھکرایا اور توراۃ کے احکام کو بلا تغیر و تبدل کافی بتایا۔

درحقیقت تالمود کی اس تفسیر (گمارا) میں طرح طرح کے دھوکہ اور فریب سے کام لیا گیا ہے۔ پڑھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس تفسیر اور فریب سے ہوشیار رہیں۔ حاخاموں (یہودی مجتہدوں) نے کس طرح ایسے اقوال گڑھ لئے ہیں جن سے دین پر افتراء کر کے گمراہی پھیلانے کے لئے یہودی عوام کو مطمئن کر سکیں۔

یہ تالمودی اس فریب میں مبتلا ہیں کہ غیر یہودی عوام الناس کی طینت سے انکی طینت مختلف ہے ان کا عقیدہ ہے کہ جو لوگ دین یہودی کے پیرو نہیں ہیں وہ نافہم جانور ہیں، یا یہودیوں کے غلام، خادم اور ماتحت ہیں۔ اس سے بھی بڑے فریب میں وہ مبتلا ہیں کہ زمین و آسمان یہودیوں کے سوا کسی کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔ اور یہودی روئے زمین کے پروردگار ہیں۔ اللہ نے اس سے بھی زیادہ انکو ضلالت اور گمراہی میں مبتلا کیا کہ "یہودیوں کے لئے ذلت اور مسکنت مقدر کر کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ بہت رویا اور بجد آہ و فغاں کی، خاص طور پر ہیکل سلیمانی کے انہدام سے"۔ حاخاموں نے اپنے عوام کو یہ باور کرایا کہ جو کچھ وہ کہدیں وہی شریعت ہے اور ان کی خواہشات ہی قانون ہے۔ چنانچہ انھوں نے دوسری قوموں (غیر یہودیوں) کے ساتھ بد معاملگی، اور انکی اولاد کو قتل کرنا انکا خون بہانے اور انکی دولت چھین لینے کا حکم دیا کیونکہ غیر یہودی قومیں نافہم جانوروں کے مانند ہیں اور ان پر یہودیوں کو اسی طرح حق تصرف حاصل ہے جس طرح کسی مالک کو اپنی ملکیت پر ہوتا ہے۔ یہودی انبیاء کو کافر کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ یہودی اپنے حاخاموں کی ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان کی اتباع کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں یہودیوں نے بہت سے انسانوں کو ذبح کروالا۔ تاکہ وہ ان کا نفع بخش خون حاصل کریں جس کے استعمال کرنے کی ان کا مذہب اجازت دیتا ہے۔

تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۸ جون سنہ ۱۸۰۶ء کو شاہ لوئی نہم کے پیرس کے محل میں بلکہ بلانش کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا تاکہ یہودیوں کے متعلق انسانی قربانیاں چڑھانے کی جو روایتیں مشہور ہیں ان کی صداقت کا جائزہ لیا جائے۔ یہ انسانی قربانیاں اُن کے عقیدے اور تالمود کی تعلیمات کے مطابق کیجاتی رہی ہیں تاکہ بنی اسرائیل کو اپنے اور تالمود کے بچانے کا حق حاصل رہے جب یہودی ان حقائق پر پردہ نہ ڈال سکے تو ان کے اقرار پر مجبور ہو گئے اور ان کے تالمودی عقائد کھل کر سامنے آ گئے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

"یسوع ناصری (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) جہنم میں تارکول اور آگ کے درمیان پڑا ہوا ہے (العیاذ باللہ من ذلک) اور اس کی ماں مریم (حضرت مریم علیہا السلام) پر باندرا نام کا ایک فوجی مسلط کر دیا گیا ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ زنا کرتا رہتا ہے۔ (العیاذ باللہ یہ تالمودی عقائد نقل کفر کے طور پر پیش کئے جا رہے ہیں۔ نقل کفر کفر نباشد) مسیحی گرجے کوڑا گھر ہیں، اور ان میں وعظ کہنے والے۔ پادری بھونکنے والے کتوں کے مانند ہیں۔ مسیحی کو قتل کر دینا ان فرائض میں سے ہے جن کا تالمودیوں کو حکم دیا گیا ہے۔ مسیحیوں اور مسلمانوں کے ساتھ کیا جانے والا معاہدہ دراصل معاہدہ نہیں ہے جسکی پابندی پر تالمودی یہودی مجبور ہوں مذہبی طور سے یہودیوں پر واجب ہے کہ وہ مسیحی رؤسا اور بادشاہوں پر تین مرتبہ لعنت (تبرا) بھیجیں جو بنی اسرائیل سے دشمنی رکھتے ہوں۔"

انسانی قربانی کا ذکر ان کی تمام کتابوں میں موجود ہے جیسا کہ مشہور یہودی مورخ یوسفوس نے بتایا (یہ مورخ سنہ ۳۷ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۹۵ء میں روم میں وفات پائی) اس نے روایت یونانی بادشاہ انطوخیوس چہارم عرف ابی خاں کیطرف منسوب کی ہے جو سنہ ۱۷۰ ق م میں اورشلیم التحت سلطنت پر قابض ہو گیا تھا۔

مذکورہ بالا یہودی مورخ لکھتا ہے کہ یہ یونانی بادشاہ جس وقت مقدس شہر میں داخل ہوا تو اسے ہیکل سلیمانی میں ایک جگہ ایک یونانی کو پایا جسے یہودیوں نے وہاں قید کر رکھا تھا۔ اور اس کو عمدہ عمدہ غذائیں دی جاتی تھیں۔ تاکہ وہ موٹا ہو جائے۔ پھر اس کو کسی جنگل میں لے جا کر ذبح کر ڈالیں۔ اور اس کا خون پئیں اور اس کا تھوڑا گوشت کھا کر بقایا جسم کو جلا ڈالیں۔ اور اس کی راکھ صحرا میں اڑا دیں یہ حرکت تالمودی شریعت کو پورا کرنے کے لئے کی جاتی تھی۔ اور کوئی بھی اس کی مخالفت کی جرأت نہ کر سکتا تھا اسی طرح وہ ہر سال ایک نئے یونانی کو اغوا کرتے تھے۔ (جس طرح ابھی چند سال قبل ہٹلر کے دست راست "ایخمن" کو کہیں سے ڈھونڈ کر اسرائیل میں اغوا کر لے جاتے تھے۔ اور وہاں اس پر مقدمہ چلا کر سزائے موت دی جاتی تھی — اخبارات اس معاملہ میں بالکل خاموش ہیں۔ کہ اس کو کس طرح موت کے گھاٹ اتارا اور اس کا خون پیا یا نہیں؟) اور اس کو بہتر سے بہتر کھانا کھلاتے اور جب وہ توانا ہو جاتا تو اس پر اپنی شریعت کا حکم پورا کرتے الغرض اس قیدی نے یونانی بادشاہ سے رحم کی درخواست کی اور بادشاہ نے اس کو رہا کر دیا۔"

پراگ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر الموڈو بلنگ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "یہودی شریعت تالمود کے مطابق" اس کتاب کا فرانسیسی ترجمہ پیرس سے شائع ہوا ہے، جس کے مطالعہ سے صہیونی شریعت کی حقیقی تصویر سامنے آ جاتی ہے۔ اور پتہ چلتا ہے کہ درحقیقت صہیونیوں کے عقائد کیا ہیں۔ جن پر وہ اپنی تشدد پسند زندگی میں عمل کرتے رہتے ہیں (ان کی تشدد پسند ذہنیت کی صحیح تصویر حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے سامنے آ جاتی ہے کہ انھوں نے اپنے حقیقی بھائی پر بھی رحم نہ کیا) صہیونی جنھوں نے اپنا نام اسرائیل رکھ چھوڑا ہے اور عربی فلسطین میں گھس پڑے ہیں، صرف تالمودی شریعت پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنی روزمرہ کی زندگی میں تالمود کی تشدد پسند تعلیمات پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ اس تالمود پرستی کا پتہ اس وقت چلا جب کہ اسرائیل کے وزیر .... کی مخالفت کرتے ہوئے دعوی کیا کہ ان کی مقدس کتاب صرف تالمود ہے۔ یہ مخالفت اتنی بڑھی کہ آخرکار وزیر موصوف کو استعفا دینا پڑا۔

تالمود حاخاموں (یہودی مجتہدوں) کی تصنیف ہے

تالمود اور اسکے مضامین:-

حاخاموں نے اپنی تعلیمات فریسیوں سے اخذ کیں (یہودیوں کے دو بڑے فرقے تھے: فریسی اور صدوقی) فریسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہودی عوام پر مسلط تھے۔ اور انکو ظاہری شریعت موسوی کی اتباع پر اکساتے رہتے تھے جس کی تفسیر انھوں نے اپنے لئے محفوظ کر رکھی تھی۔ سنہ ۱۳۵ء میں "یوحناس" نامی حاخام کو اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں حاخاموں کی یہ تفسیر ضائع نہ ہو جائے۔ تو اس نے اس کو قلمبند کر کے کتاب کا نام "مشنا" رکھا۔

"مشنا" کے معنی ہیں تعلیم شریعت اور مطالعہ شریعت موسیٰ جو توراۃ کی پانچ کتابوں میں درج ہے اس کتاب میں دہرائی گئی ہے لیکن درحقیقت مشنا لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ شریعت موسیٰ کی مبہم باتوں کی (حاخاموں کے خیال کے مطابق) وضاحت اور تفسیر کی جائے اور شریعت میں جو خامیاں رہ گئی ہیں ان کو درست کر کے شریعت کو مکمل کیا جائے۔ جیسا کہ خادم لوگ دعوی کرتے ہیں۔ آنے والی صدیوں میں اصل کتاب مشنا میں بابل اور فلسطین کے مدارس میں تالیف ہونے والی بہت سی کتابوں کا اضافہ کر دیا گیا۔

پھر علماء یہود نے مشنا پر لمبے لمبے نوٹ لکھے جس کا نام "گمارا" رکھا۔ شرح مشنا اور گمارا کے مجموعہ کا نام تالمود ہے

کلمۂ "تالمود" کے معنی ہیں "یہودیوں کے دین و ادب کی تعلیم دینے والی کتاب"

کلکی اوتار اور محمد صاحب

تحریر
پنڈت وید پرکاش اپادھیائے ایم۔ اے ✱ ترجمانی جناب وصی اقبال صاحب

ہندی پنڈت کلکی اوتار اور محمد صاحب کی یہ ترجمانی اس لئے شائع نہیں کی جا رہی ہے کہ اس میں جتنی باتیں لکھی گئی ہیں ان سب سے ہمیں اتفاق ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ برادران وطن کا ایک طبقہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے بارے میں جو نقطۂ نظر رکھتا ہے وہ ہمارے سامنے رہے۔

تمہید

اس تحقیقی مقالے میں قدیم ہندوستانی روایات اور اسلامی روایات کو امتزاجی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اسلامی روایات میں جو مقام رسولوں، نبیوں اور پیغمبروں کا ہے، وہی مقام ہندوستانی روایات میں اوتاروں کو حاصل ہے۔ مسلمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی مانتے ہیں۔ اور ہندوستانی روایات میں کلکی کو آخری اوتار مانا گیا ہے۔

بیرون ہند پیغمبر آتے ہیں۔ اور ہندوستان میں صرف اوتار، یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ ساری زمین اللہ کی ہے اور اللہ تعالے بے انصاف نہیں ہے۔ تمام ممالک کے ادب میں ان ہی ممالک کی افضلیت کے گیت گائے گئے ہیں۔ اس لئے کوئی بھی اپنے ملک کو کمتر نہیں کہے گا۔ پیغمبر صرف عرب میں آئے ہندوستان میں نہیں یہ ایک محدود نظریہ ہے اور اوتار صرف ہندوستان میں آئے دوسرے ممالک میں نہیں۔ یہ خیال بھی یک طرفہ ہے۔

محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے آخری پیغمبر ہیں۔ یہ معلوم ہونے پر مجھے پرانوں میں اس موضوع پر تلاش وجستجو کی خواہش ہوئی۔ ہندوستانی روایات کے مطابق پہلے کچھ کلجگ (تاریک دور) گزر چکے ہیں۔ ان میں کلکی کے ظہور میں آنے سے متعلق جو واقعات رونما ہوئے اور اس کلجگ میں جو واقعات گزرے ان کا مقابلہ جب میں نے محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات طیبہ سے کیا تو پوری یکسانیت پائی۔ البتہ کہیں کہیں جو بہت معمولی سا فرق ہے۔ وہ کچھ زیادہ اہم نہیں ہے جدید الحادی نظریات کی دھاک خیزیوں سے جو تباہی ممکن ہے اس کا ازالہ دینی اتحاد ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ باہمی افتراق کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

ان ہی احساسات وجذبات کے باعث میں نے یہ تحقیق کی ہے جو مذہبی اتحاد کی بنیاد ہے قومی یکجہتی کے حامی اس پر معترض نہیں ہونگے۔ اعتراض اگر ہوگا تو صرف "کوئیں کے مینڈکوں" کو لیکن اگر وہ بھی اپنے اس تنگ دائرے سے باہر نکل کر دنیا پر نظر ڈالیں تو ان کی یہ کوتاہ بینی یقیناً ختم ہوجائے گی۔

میں نے یہ تحقیقی کام کا بیڑا اس لئے بھی اٹھایا ہے کہ اللہ کے پیغام کی تبلیغ ہو۔ اب سے پہلے اس موضوع پر کچھ لکھا گیا ہے یا نہیں۔ اسکے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن "سرور عالم" نامی کتاب میں یہ اشارہ ضرور ملتا ہے کہ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کلکی اوتار ایک ہیں۔

میرا خیال ہے میرے اس تحقیقی کام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا کیونکہ میں نے یہ کام صرف خدا کے بھروسہ پر انجام دیا ہے۔

اس مقابلہ میں جو دلائل اور قیاس آمیز باتیں آئیں وہ میری اپنی نہیں ہیں۔ میں نے انھیں ویدوں اور پرانوں سے دریافت کیا ہے، یا پھر اللہ کی جانب سے مجھ پر منکشف ہوئی ہیں۔

میرا خیال ہے کہ یہ مختصر سا تحقیقی مقالہ اتحاد ویکجہتی کے لئے بہت زیادہ مفید اور مددگار ثابت ہوگا صرف نام رکھ لینے سے کوئی ہندو مسلمان یا عیسائی نہیں بن جاتا۔ اگر میں سراج الحق کو ستیہ دیپ، عبداللہ کو پنڈت رام داس یا رام میش اور عبدالرحمان کو بھگوان داس کہوں تو وہ برا نہیں مانیں گے۔ یہ صرف زبانوں کا فرق ہے اب اگر آپ چاہتے ہیں تو مجھے عربی زبان میں نور الہدیٰ کہہ سکتے ہیں۔

خدا سے میری یہ دعا ہے کہ سبھی لوگوں میں خاص طور پر ہندو مسلمان میں پوری طرح اتحاد قائم ہو اور میری یہ حقیر کوشش اس کا سبب بنے کلکی اوتار اور محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد کہیں بعض لوگ اس شک میں مبتلا نہ ہوجائیں کہ میں نے محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات طیبہ سے فائدہ اٹھاکر کلکی اوتار کی فرضی کہانی گڑھی ہے اس لیئے میں نے جن سناتن دھرمی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ ان میں سے پرانوں کے تخلیقی زمانے کو عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کر رہا ہوں

پرانوں کی تخلیق کب ہوئی؟ یہ سوال آج بھی حل طلب ہے مغربی تاریخ نویسیوں نے شروت سوتروں، آپ نشدوں اور پرانوں وغیرہ کا زمانہ تخلیق متعین کرنے کے مقام پر جگہ جگہ لفظ "شاید" کا استعمال کثرت سے کیا ہے جو ان کے فیصلہ کی کمزوری کا بین ثبوت ہے

ان مغربی عالموں کی رائے پرانوں کے زمانہ تخلیق کے متعلق کیا ہے؟ سب سے پہلے میں اسے پیش کرکے زمانۂ تخلیق کی بابت طے کروں گا اور اس کے بعد اصل موضوع پر آؤں گا۔

پرانوں کا زمانہ ڈبلیو۔ ایل۔ لانگر کے مطابق (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) سے چار سو سال بعد کا ہے۔[1] ان کے مطابق رامائن اور مہابھارت کی تخلیق دو سو قبل مسیح ہے۔[2] جناب لانگر کے ان مندرجہ بالا بیانات میں تضاد ہے۔

۱۔ رامائن کے مولف بالمکی اور مہابھارت کے مولف ویاس جی کے ہم عصر ہونے کی تردید خود ان دونوں کتابوں سے ہوتی ہے۔

دراصل بالمیک اور وید ویاس جی کسی طرح ہمعصر ہوئی نہیں سکتے۔ اس لئے کہ رام کے زمانہ میں ہی بالمیک تھے۔ جیسا کہ رام چندر جی کے یہاں سے نکلی ہوئی سیتا کی نگرانی بالمیک کو اپنے آشرم میں رکھ کر کرنا پڑتی ہے[3] سے ثابت ہوتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ وہ اپنے اسے عظیم کام کی تکمیل بھی اسی آشرم میں کرتے ہیں اور یہ بات ثابت شدہ ہے۔

۲۔ رام چندر جی کے حالات زندگی ترتیا یگ کے ہیں اور اسی زمانہ میں رامائن کا تحریر آنا بھی ممکن ہے اس کے برعکس وید ویاس جی نے مہابھارت "دوا پریگ" میں لکھی ہے۔

۳۔ شک راج کا حضرت (عیسیٰ علیہ السلام) سے ملنا پران سے ثابت ہے۔[4] اور شک راج، وکرماجیت کا قائم تھا۔ اس لئے وکرماتیہ کا زمانہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے قبل کا ثابت ہوتا ہے وکرماتیہ کے زمانہ میں رامائن مہابھارت اور پران کو احترام کی نظر سے دیکھا اور سمجھا جاتا تھا۔

ان اسباب کے باعث ظاہر ہے کہ لانگر کی تحقیق قابل اعتماد نہیں ہے۔

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف ورلڈ ہسٹری مولفہ ڈبلیو، ایل، لانگر ص۳۶
[2] " " " ص۴۳
[3] رامائن کی تالیف (د۔۱)
[4] بھوشیہ پران، پرتی سرگ پرو تیرا حصہ، دوراباب اخلوک ۲۱ تا ۲۳

سرور عالم مولف محمد سلم

ہندو دینی اتحاد سے وحدت ادیان کے معنی پیدا کرنا ایک بہت بڑی غلط فہمی کے مترادف ہوگا۔ ان الفاظ کا منشا صرف یہ ہوسکتا ہے کہ تمام لوگ جو کسی نہ کسی مذہب کے پیرو ہیں انھیں آپس میں متحد ہو کر لادینیت اور الحاد کے مقابلہ میں ڈٹ جانا چاہیئے۔

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ سیاسی بے انصافی

جناب مصطفےٰ حسن فردوسی

جس طرح چاند کہنے سے چاندنی کا تصور، پہاڑ کہنے سے بلندی کا خیال آفتاب کہنے سے اس کی حرارت کا احساس دل میں آنا ضروری ہے۔ اسی طرح انڈیا اور پاکستان کی جنگ آزادی کا نام لیتے ہی چند شخصیتوں اور ان کے کارناموں کا خیال ذہن میں لازمی طور پر آتا ہے۔ انہیں چند ہستیوں میں مولانا محمد علی جوہر کی ایک ہستی ہے۔ وہ جنگ آزادی کے ہیرو تھے۔ جن کے کردار کو ہٹا لیتے کے بعد پوری کہانی خشک اور بے حقیقت سی ہو کر رہ جائے گی اس کے باوجود ان کے معاملے میں جنگ آزادی پر کتاب لکھنے والوں نے جو اخلاقی دیوالیہ پن کا ثبوت دیا ہے وہ بڑا شرمناک ہے۔

آزادی کی جدوجہد | برصغیر ہندو پاکستان میں جنگ آزادی کی کہانی بڑی پرانی ہے دراصل ۱۷۵۷ء ہی سے شروع ہوئی جب کہ بنگال میں انگریزوں نے سازش اور نواب سراج الدولہ کے خاص خاص معتمدوں کو غداری پر آمادہ کرکے جنگ پلاسی میں فتح حاصل کی۔ شروع دور میں تو اجتماعی حیثیت سے عوام نے غیر منظم طور پر ادھر ادھر چند بار کوششیں کیں۔ لیکن فرنگیوں کی منظم اقلیت کے سامنے بھاری اکثریت مگر غیر منظم ہندوستانیوں کی کچھ چل ہی نہ سکی۔ جہاں کامیابی کے امکان روشن تھے اور جہاں انگریزوں کو سخت مقابلہ کا گزشتہ تھا، وہاں انھوں نے غداروں کا سہارا لیا اور ملت فروشوں نے انگریزوں کا ساتھ دے کر حریت پسندوں کی کوششوں پر جبر واستبداد کی مہر لگوا دی۔

۱۸۵۷ء کے بعد ایک عرصہ تک تو خاموشی رہی اس لئے کہ انگریزوں نے جس طرح قتل عام کے ذریعہ عوام کو خوف زدہ رکھا تھا، اس کے پیش نظر کوئی رہنمائی کے لئے آگے آتا ہی نہیں تھا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد نئے حالات اور نئے رجحانات کے تحت آزادی پسندوں نے کام شروع کیا اور آخرکار ایک مدت کی اکھاڑ پچھاڑ کے بعد آزادی حاصل کر کے رہے اس کشاکش کے دور میں انفرادی شخصیتوں کی سیاسی سوجھ بوجھ اور ان کی مخلصانہ کوششوں نے منتشر اور شکستہ دل عوام کو منظم اور ان میں اعتماد پیدا کرنے میں بڑا کام انجام دیا۔

ایسے لوگوں کی تعداد ہندو مسلمان دونوں میں کافی رہی سبھوں کا نام آج غلط یا صحیح طور پر انڈیا پاکستان کی تاریخ جنگ آزادی میں لیا جاتا ہے۔ لیکن صرف ایک شخصیت ایسی ہے جو اپنے بے پناہ خلوص اور خدمات کے لحاظ سے صف اولین میں سب سے اونچا درجہ دیئے جانے کے لائق ہے لیکن پھر بھی اس کا کہیں نام نہیں لیا جاتا یہ ہستی مولانا محمد علی جوہر کی ہے

محمد علی جوہر کے ساتھ بے انصافی | مولانا محمد علی کو گذرے ہوئے آج تیس برس ہوگئے ہیں، لیکن عوام کے دلوں میں ان کا [illegible] باقی ہے، اور کوئی وجہ نہیں کہ ان کا [illegible] اور ان کی یاد عوام کے دلوں میں سینہ [illegible] ایک پشت سے دوسری پشت تک آتی نہ رہے، یہاں تک کہ اس وقت تک باقی رہے جب تک کہ برصغیر ہند و پاک میں ہندوستان کی آزادی کا صحیح قدرداں زندہ ہے اس لئے کہ انھوں نے شکستہ دل عوام کو جرأت بخشی انھوں نے ان زبانوں کو جن پر ظلم و استبداد کی مہریں لگادی گئی تھیں، دوبارہ زبان بخشی اور آہنی مہروں کو اپنے جذبہ اور حدت شوق سے ہمیشہ کے لئے ختم کیا۔ لیکن افسوس کہ اس مجاہد اعظم کا تذکرہ جنگ آزادی کی کتابوں میں نہیں کیا جاتا۔ ہم اس بے انصافی اور بد دیانتی کو سیاسی اغوا اور ایک سانحہ عظیم، ایک شرمناک حرکت کہنے پر حق بجانب ہوں گے۔

آزادی سے متعلق اردو، انگریزی اور ہندی سبھی زبانوں میں کتابیں لکھی گئی ہیں ان کتابوں کے مصنفوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے مولانا محمد علی کے سامنے سیاسی زندگی میں زانوئے ادب تہ کیا۔ اور بہت سے مصنفین ایسے ہیں جنھوں نے ان سے بولنے اور کام کرنے کا طریقہ سیکھا اور بعض ایسے ہیں جنھوں نے ان کو آزادی کارواں سے آگے چلتے دیکھ کر پیچھے سے راہ لی۔ لیکن اب تک جتنی کتابیں خصوصیت کے ساتھ بھارت میں لکھی گئیں وہ سب کی سب تقریباً تعصب اور بد دیانتی کے ساتھ لکھی گئیں۔ ان کتابوں میں اول تو محمد علی مرحوم کا نام نہیں آتا اور کہیں کہیں پر آتا بھی ہے تو اس طرح جیسے محمد علی آزادی کی جنگ میں ایک معمولی حیثیت کے مالک تھے اتنی بڑی شخصیت کے ساتھ اتنی بڑی بے انصافی کیوں کی گئی یہ ایک سربستہ راز معلوم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ مولانا ابو الکلام آزاد جنھوں نے مولانا محمد علی سے بہت کچھ استفادہ کیا ہوگا۔ انھوں نے بھی اپنی کتاب "انڈیا ونس فریڈم" (INDIA WINS FREEDOM) میں کچھ تذکرہ نہیں کیا۔ صرف صفحہ نو اور دس میں مولانا محمد علی کا نام آتا ہے وہ بھی فرنگی محل کے مولوی باری صاحب کے توسط سے آتا ہے۔ ورنہ محمد علی کے ناموں سے زیادہ تذکرہ حکیم اجمل خاں، لالہ لاجپت رائے، سی آر داس اور بپن چندرپال وغیرہ جیسی سکنڈ لائن آف ڈیفنس کی شخصیتوں کا ہے

انڈیا ونس فریڈم میں تذکرہ نہیں | انڈیا ونس فریڈم کا حجم ڈھائی سو صفحہ پر مشتمل ہے مولانا آزاد مرحوم نے اس کتاب میں اپنی خاندانی وراثت اور بچپن سے لے کر تقریباً اپنی زندگی کے آخری پہلو تک تمام موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔ ان موضوعات میں ایسے بھی موضوع ہیں جنھیں صحیح معنوں میں ہندوستان کی آزادی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ گھر کی باتیں ہیں جن پر گھری کے ماحول تک رہنا چاہیئے تھا۔ کتاب کی اس تفصیل کے باوجود بھی اس میں مولانا محمد علی کی خدمت کا کہیں اعتراف نہیں ملتا حالانکہ پنڈت نہرو نے اپنی کتاب "ڈسکوری آف انڈیا" (DISCOVERY OF INDIA) میں صفحہ [illegible] میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ مولانا نے خلافت [illegible] اور کانگرس پارٹی کے بنانے میں بہت [illegible] دیا ہے مولانا کافی عرصہ تک کانگرس کی ورکنگ کمیٹی کے سب سے اعلیٰ رکن کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے گاندھی جی جنہیں مولانا محمد علی جوہر نے صحیح معنوں میں جنگ آزادی کے پلیٹ فارم پر لا کر انھیں مسلمانوں سے متعارف کرایا اور ان کے ارادے اور طریقہ کار میں ایک تازہ جان پیدا کی۔ ان کا تذکرہ اس کتاب میں ملتا ہے اور ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ بھارت کی آزادی کی تاریخ مکمل ہی نہیں کہی جاسکتی ہے جب تک گاندھی جی جیسے حریت پسند کا تذکرہ نہ ہو۔ ساتھ ہی ساتھ ایک [illegible] مزاج انسان [illegible] بھی کہے گا کہ آزادی [illegible] تاریخ بالکل اس وقت تک مکمل نہیں کہی جاسکتی۔ جب تک کہ اس میں محمد علی جوہر کی بے لوث خدمات کا اعتراف نہیں کیا جائے۔

(باقی)

ایک درویش صفت گورنر

از محمد سراج الآفاق ایم۔ اے عربی و فارسی ریسرچ اسکالر لکھنؤ یونیورسٹی

آج کل اکثر زبانوں پر جمہوریت و بادشاہت کی گفتگو رہتی ہے۔ چھوٹے موٹے ہوٹلوں سے لے کر بڑے بڑے جلسوں تک یہ بات زیر بحث آتی ہے اور یہ فیصلہ نہیں ہو پاتا ہے کہ رعایا کی فلاح و بہبود کس نظام میں ہے۔ عام طور پر اس وقت جو رجحان پایا جا رہا ہے وہ نظام جمہوریت ہی کی موافقت ہی میں ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ نہ تو سو فیصد شخصی حکومت ہی بہتر ہے اور نہ جمہوری بلکہ رعایا کی فلاح و بہبود کا ضامن وہ طرز حکومت ہے جس کی بنیاد اسلام نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ڈالی اور خلفائے راشدین نے جس پر عمل کر کے دکھلایا کہ وہ نظام حکومت کوئی ایسا نظام نہ تھا جس پر عمل پیرا ہونے کے لئے کسی مافوق البشر طاقت کی ضرورت ہو۔

آئندہ سطور میں ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک گورنر کی مثال پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ اسلام نے جہانبانی اور حکمرانی کے کیسے کیسے زندہ جاوید نمونے چھوڑے ہیں اور یہ نمونے ایسے ہیں کہ حکومت بھی اس کو اپنا لے تو آج کے اس ایٹمی دور میں اس نظام کو شکست دینے والی کوئی طاقت دنیا کے پردے میں نہیں ہے۔

یہ قدرت کا انتظام ہی تو تھا کہ جب عمر فاروق سے جہانبانی کا کام لیا تھا تو ان کو ویسے ہی لاجواب و بے مثال ساتھی بھی دیئے گئے تھے ان کے انھیں ساتھیوں میں سے ایک ساتھی حضرت عمیر بن سعد تھے جو حمص (شام) کے گورنر تھے۔

حضرت عمیر جب حمص پہنچ گئے اور ان کو وہاں رہتے ہوئے ایک سال کی مدت بھی گذر گئی مگر اس مدت میں وہاں کسی قسم کی آمدنی وصول نہیں ہوئی تو خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں خط لکھ کر بلایا اور یہ تاکید کر دی کہ اس مدت میں جو رقم تم نے وصول کی ہو اپنے ساتھ لیتے آؤ۔

خط ملتے ہی حضرت عمیر نے اپنا ڈنڈا ہاتھ میں لیا اور روانگی کے لئے مدینہ منورہ چل پڑے، وہاں پہونچے تو راستے کی تھکن اور گرد و غبار کی وجہ سے چہرہ غبار سے اٹ گیا تھا۔ دھوپ سے چہرے کا رنگ بھی جھلس گیا تھا۔

امیر المومنین نے یہ حال دیکھا تو پوچھا تمھاری کیا حالت ہے؟

حضرت عمیر نے جواب دیا: جیسا خود امیر المومنین ملاحظہ فرما رہے ہیں "میرے ساتھ دنیا لگی ہوئی ہے جسے لئے لئے پھر رہا ہوں۔"

امیر المومنین: "تمھارے پاس کیا کیا سامان ہے؟"

حضرت عمیر: "یہ میرا تھیلا ہے جس میں زاد راہ ہے، میرا پیالہ ہے جس میں کھاتا پیتا ہوں اور یہ چھوٹا سا مشکیزہ ہے جس میں وضو کرنے اور پینے کے لئے پانی رکھتا ہوں۔ ان کے علاوہ یہ میرا ڈنڈا ہے جس پر ٹیک لیتا ہوں اور ضرورت کے وقت دشمن کا مقابلہ کرتا ہوں۔"

امیر المومنین: "کیا تم پیدل چل کر آئے ہو؟"

حضرت عمیر: "جی ہاں۔"

امیر المومنین: "وہاں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو سواری کا انتظام کر دیتا؟"

حضرت عمیر: "نہ میں نے کسی سے اس کی فرمائش کی، اور نہ خود ہی کسی نے اس کا بندوبست کیا۔"

امیر المومنین: "وہ مسلمان کتنے بد اخلاق ہیں جن کے پاس سے تم آ رہے ہو۔"

حضرت عمیر: "امیر المومنین خدا کا خوف کیجئے خدا نے ہم کو غیبت سے روکا ہے۔ میں نے ان مسلمانوں کو روزہ نماز کرتے دیکھا ہے۔"

امیر المومنین: "اچھا یہ بتاؤ تمہیں یہ معلوم ہی ہے کہ میں نے تم کو وہاں کس لئے بھیجا تھا؟ تم نے وہاں کیا کارگذاری کی؟"

حضرت عمیر: "آپ نے مجھے جہاں بھیجا میں وہاں گیا وہاں کے نیک لوگوں کو جمع کیا اور ان کو مختلف قسم کی آمدنیوں کی وصولی پر مقرر کیا پھر آمدنی ہونے پر میں نے اس کو اسی شہر کے ضروری اور شرعی مصارف میں خرچ کر دیا۔"

خلیفہ دوم ان کے اس بیان سے بہت خوش ہوئے اور حکم دیا کہ ان کو ان کے عہدہ پر بدستور قائم رکھا جائے! لیکن حضرت عمیر دوبارہ اس ذمہ داری کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور بولے۔

"امیر المومنین اب میں اس کام سے معافی چاہتا ہوں میں یہ ذمہ داری قبول نہ کروں گا۔"

حضرت عمر: "کیوں؟"

حضرت عمیر: "اس لئے کہ ہزار احتیاطوں کے باوجود ایک دن ایک غیر مسلم (عیسائی) کے لئے میرے منھ سے نکل ہی گیا کہ اللہ تجھے خوار کرے۔" ایسی صورت میں مجھے خدا کے مواخذہ کا ڈر لگا ہوا ہے [illegible] اس کے سامنے جوابدہی کی ہمت اپنے میں [illegible]

یہ کہہ کر درویش صفت گورنر اپنے [illegible] مدینہ سے کافی فاصلہ پر تھا۔

کچھ دنوں کے بعد ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سو دینار دے کر ایک شخص کو ان کے پاس روانہ کیا۔ یہ صاحب ان کے مکان پہونچے تو وہ ایک دیوار کے سہارے باہر ہی بیٹھے ہوئے تھے ان کو دیکھ کر کہا۔

"آیئے تشریف رکھیے آج کدھر آنا ہوا؟"

قاصد: "مدینہ منورہ سے آ رہا ہوں۔"

حضرت عمیر: "امیر المومنین کا کیا حال ہے؟"

قاصد: "اچھے ہیں اللہ کے احکام اس کے بندوں پر نافذ کر رہے ہیں۔"

حضرت عمیر: "اے اللہ عمر کی مدد کر وہ تیری راہ میں سرگرم ہے۔"

قاصد نے عمیر کے یہاں تین دن قیام کیا اور ان کے گھر کی یہ حالت تھی کہ مشکل سے روٹی کی ایک ٹکیہ میسر ہوتی تھی جس کو مہمان کے سامنے رکھ دیتے تھے اور خود فاقہ سے رہ جاتے تھے۔

قاصد نے رخصت ہوتے وقت وہ دینار نکال کر پیش کئے اور کہا۔

"امیر المومنین نے آپ کی ضرورت کے لئے بھیجے ہیں۔"

حضرت عمیر کی غیرت مند طبیعت نے اس کو لینا گوارا نہ کیا بولے۔

"مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

اور فوراً وہ رقم محتاجوں میں تقسیم کر دی۔

یہ حالت دیکھ کر قاصد مدینہ منورہ واپس آیا اور حضرت عمر کو سارا ماجرا سنایا۔ حضرت عمر نے انکو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو انھیں معقول مقدار میں غلہ اور کچھ کپڑے عنایت فرمائے اور فرمایا۔

"یہ ہدیہ میری طرف سے قبول کرو۔"

حضرت عمیر: "غلہ کی ضرورت مجھ کو نہیں ہے میں دو صاع (تقریباً [illegible] سیر جو) گھر پر چھوڑ آیا ہوں، ہاں کپڑا لئے لیتا ہوں کہ میری بیوی کے پاس پہننے اور تن ڈھکنے کو بالکل کپڑا نہیں ہے۔"

اس کے بعد اپنے گھر چلے آئے تھوڑے دنوں کے بعد وفات پا گئے۔ امیر المومنین کو اطلاع ملی تو بہت رنج ہوا پاپیادہ قبرستان تشریف لے گئے اور ان کے لئے دعائے رحمت فرمائی اور فرمایا۔

"اے کاش مجھے عمیر جیسا کوئی آدمی نصیب ہو۔"

کیا آج کے دور مساوات و جمہوریت میں ایسے حاکم و گورنر کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے۔ مگر افسوس اس کا ہے کہ آج ہم مسلمان خود ہی اپنی تعلیمات و روایات کو بھلا بیٹھے ہیں۔

عام معلومات

نوابوں کے دسترخوان

اے۔ آر۔ انصاری

اودھ کے نوابوں اور امیروں کے محل سراؤں اور میخانوں کے تذکرے تو آپ نے اکثر سنے ہونگے لیکن اگر آپ نے ان کے باورچی خانہ کی سیر نہیں کی تو آپکو ان کے دسترخوانوں کا اندازہ نہیں ہوگا۔ نوابوں کے عہد میں ان کے باورچی خانوں کو ایک خاص اہمیت حاصل ہوتی تھی۔ ان میں بڑے قابل تجربہ کار اور ہوشیار باورچی بہت اونچی تنخواہوں پر رکھے جاتے تھے۔ کھانا بنانے والے علیحدہ ہوتے تھے۔ اور دسترخوان چننے والے علیحدہ اس طرح ایک ہی باورچی خانے میں پچاس پچاس تک ملازم ہوتے تھے۔ اور ایک ایک نواب کے محل میں ایسے باورچی خانوں کی تعداد پانچ پانچ چھ چھ تک ہوتی تھی۔ کھانا بنانا تو مشکل کا کام تھا ہی لیکن دسترخوان کو سجانا بھی کچھ کم مشکل کا کام نہیں تھا۔ خوش ذائقہ اور خوبصورت کھانا خوبصورت ہاتھوں سے ہی پروسا جانا چاہیے تھا۔ کھانا بنانے میں تو اہتمام نفاست اور نزاکت سے کام لیا جاتا تھا۔ باورچی خانے کو سجانے میں بھی اس دور کے امراء ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے اور ان میں خوب نوک جھونک بھی چلتی رہتی تھی۔ ان کے باورچی واقعی بڑے سلجھے ہوئے اور اپنے فن کے ماہر ہوتے تھے۔

ایک بار مرزا خرم بخت کے صاحبزادے مرزا آسمان قدر لکھنؤ کے آخری نواب واجد علی شاہ کے مہمان ہوئے۔ اس روز دسترخوان پر ایک بڑی ہی خوبصورت عجیب و غریب شے چنی گئی تھی۔ مرزا آسمان قدر نے مربہ سمجھ کر اس کا ایک ٹکڑا منھ میں رکھا تو معلوم ہوا کہ وہ مربہ نہیں بلکہ قورمہ ہے۔ اس پر واجد علی شاہ مسکرا دیئے اور آسمان قدر کو خفت محسوس ہوئی۔ کچھ عرصہ کے بعد انھوں نے نواب صاحب کو دعوت دی۔ نواب صاحب جانتے تھے کہ اس خفت کا تدارک کرنے کے لئے یہ دعوت کی گئی۔ اور ان سے بدلہ لیا جائے گا۔ نواب صاحب بڑی ہوشیاری سے دعوت میں تشریف لیگئے پھر بھی دھوکا کھا ہی گئے۔ شہزادے کے ہوشیار باورچی شیخ حسین علی نے کھانے کی تمام چیزیں پلاؤ، زردہ، بریانی، قورمہ، کباب، ترکاری، چٹنیاں اور یہاں تک کہ اچار، روٹیاں شیرمال اور پراٹھے بھی شکر سے تیار کئے تھے انتہا یہ ہے کہ دسترخوان پر موجود جتنے برتن تھے وہ بھی شکر کے بنے ہوئے تھے۔ پانی کا لوٹا تک شکر کا بنا ہوا تھا۔ واجد علی شاہ جس چیز کو بھی اٹھاتے، دھوکہ کھا جاتے۔

آیئے اب اودھ کے نواب شجاع الدولہ کے دسترخوان کا ذائقہ لیا جائے۔ نواب صاحب کے محلوں میں اس وقت چھ باورچی خانے بہت مشہور تھے۔ نواب صاحب کے نجی محل کا بہو بیگم کا باورچی خانہ سب سے بڑا تھا۔ اس باورچی خانے کا خرچ اس زمانہ میں بھی دو ہزار روپیہ روزانہ تھا۔ یعنی ساٹھ ہزار روپئے مہینہ اور سات لاکھ بیس ہزار روپیے سالانہ بہو بیگم کے باورچی خانے میں تیار ہونے والے کھانوں کے علاوہ دوسرے ۵ باورچی خانوں کے اچھے اور خوش ذائقہ کھانے بھی بڑی بڑی سینیوں میں چن کر نواب صاحب کے دسترخوان کی زینت بننے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ان پانچ باورچی خانوں کو چھوٹے باورچی خانوں کے نام سے پکارا جاتا۔ انکے منتظم اعلیٰ اور معاون الگ الگ ہوتے تھے ایسے ہی ایک باورچی خانے کے منتظم اعلیٰ مرزا احسن علی تھے۔ اس باورچی خانے کا خرچ تین سو روپے روزانہ تھا۔ یعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے سالانہ تھا۔ دوسرا باورچی خانہ شجاع الدولہ کی والدہ کا تھا جو نواب بیگم کے نام سے مشہور تھیں۔ تیسرا مرزا علی خاں کا تھا۔ چوتھا سالار جنگ کا تھا، پانچواں اور چھٹا باورچی خانہ شجاع الدولہ کی بہو بیگم کے بھائیوں کا تھا جس دسترخوان پر بیٹھ کر نواب صاحب بہو بیگم کے ساتھ طعام تناول فرماتے تھے۔ اسے بہت نفاست اور قرینے سے سجایا جاتا۔ بہو بیگم پہلے ہی سے دسترخوان پر موجود ہوتیں۔ کھانوں سے بھرے ہوئے جو خوان آتے انھیں باندیاں بہو بیگم کے سامنے کھولتی جاتیں۔ بہو بیگم اپنی اور نواب صاحب کی پسند کی چیزیں اٹھا لیتیں باورچی خانے کا منتظم اعلیٰ ہر کھانے کی جانچ کرتا اور چکھ کر دیکھتا اور اس معائنے کے بعد اسے شاہی دسترخوان کے لئے بھیجتا اگر کسی چیز کے ذائقہ میں ذرا سا بھی فرق محسوس ہوتا تو اسے ملازمین کے لئے رکھوا لیا جاتا چاہے اس پر کتنا ہی صرف کیوں نہ ہوا ہو وہاں قیمت ذائقہ کی تھی روپے کی نہیں۔

نواب آصف الدولہ کے عہد حکومت میں دہلی سے ایک باورچی آیا جو صرف ارہر کی دال بنانے میں ماہر تھا۔ اس سے جب تنخواہ کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے ۵۰۰ روپے مہینہ کی مانگ کی۔ ساتھ ہی اس نے کچھ شرائط بھی پیش کر دیں جب سرکار میرے ہاتھ کی دال کھانا چاہیں۔ تو ایک دن قبل مجھے مطلع کر دیا کریں دوسرے یہ کہ جب میں مطلع کروں کہ دال تیار ہے تو اسی وقت سرکار اسے کھا بھی لیں نواب صاحب نے شرائط منظور کر کے باورچی کو رکھ لیا چند ماہ بعد باورچی کو دال بنانے کا حکم دیا گیا۔ باورچی نے دال تیار کی اور نواب صاحب کو اطلاع بھیجی۔ نواب صاحب اسوقت کسی ضروری کام میں مصروف تھے۔ انھوں نے کہلا بھیجا کہ دسترخوان بچھاؤ، میں ابھی آتا ہوں۔ لیکن نہ آسکے باورچی نے دوسری اور تیسری مرتبہ بھی اطلاع دی کہ دال تیار ہے۔ تشریف لا کر نوش فرمائیں۔ اتنی بار کہلوانے پر بھی نواب صاحب کو تشریف لانے میں دیر ہو گئی۔ باورچی نے اس بات کو اپنی اور اپنے فن کی زبردست توہین سمجھا۔ اس نے دال کی ہانڈی چولھے پر سے اتار کر ایک سوکھے درخت کے تھالے میں انڈیل دی اور خود استعفیٰ دے کر چلا گیا کہتے ہیں کہ دوسرے دن ہی وہ برسوں کا سوکھا ہوا پیڑ ہرا بھرا ہو گیا نواب صاحب کو ایسے ماہر فن باورچی کے چلے جانے کا بہت افسوس ہوا اسے بہت تلاش کیا گیا پھر اسکا پتہ نہ چل سکا نوابوں کے یہ باورچی ہمیشہ نئی ایجادات کرنے کی فکر میں رہتے تھے پلاؤ انار دانہ اسی دور کے باورچیوں کی ایجاد ہے۔ اس پلاؤ کی خوبی یہ ہے کہ چاول کا ہر دانہ نصف یاقوتی رنگ کا نصف سفید۔ اسی دور کی ایجاد نورتن پلاؤ بھی ہے جس میں نو رنگ کے چاول ملے ہوئے ہوتے تھے ان چاولوں کو اتنی ہوشیاری سے پکایا جاتا تھا کہ دیکھنے والا حیرت زدہ ہو جاتا تھا کہ یہ چاول ہیں —— یا ہیرے جواہرات!

اودھ کا چراغ جب ٹمٹمانے لگا تھا اسی دور میں لکھنؤ میں ایک حکیم [illegible] تھے۔ انھوں نے ایکدن کھانے کیلئے اپنے یہاں پہلوان کو مدعو کیا۔ پہلوان کی خوراک بہت زیادہ تھی۔ وہ روز صبح ۲۰ سیر دودھ پیتا تھا۔ پھر تین سیر [illegible] اور بادام کھاتا تھا۔ دوپہر اور رات کے کھانے میں ایک بکرا اور دو ڈھائی سیر آٹے کی روٹیاں ہوتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے پہلوان کی دعوت کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں تھا لیکن اودھ میں روپے کی کمی نہیں تھی۔ اور لوگ اس قسم کے مشاغل کے شوقین تھے۔ وقت مقررہ پر پہلوان حکیم صاحب کے گھر پہنچ گیا اور کھانے کا انتظار کرتا رہا لیکن حکیم صاحب ٹالتے رہے جب پہلوان کی بھوک اس کی برداشت سے باہر ہو گئی تو حکیم صاحب نے ایک ملازم کے ہاتھ اندر سے ایک سینی بھیجی۔ سینی دیکھتے ہی پہلوان کی آنکھوں میں چمک آگئی لیکن جب اس نے سینی پوش ہٹایا تو اس میں ایک طشتری میں چھٹانک بھر پلاؤ کے دانے رکھے تھے۔

ناراض ہو کر پہلوان نے طشتری اٹھائی اور پلاؤ کا ایک لقمہ بنا کر منھ میں رکھ لیا چھٹانک بھر پلاؤ اس کیلئے ایسا تھا کہ جیسے اونٹ کے منھ میں زیرہ۔ کچھ وقفے کے بعد پہلوان کو شدت کی پیاس لگی اور بے چین ہو کر اس نے تین چار مرتبہ پانی پیا اور ڈکار لی۔ تبھی باقاعدہ دسترخوان بچھایا گیا۔ اور پہلوان صاحب کو کھانے کے لئے بلایا گیا۔ مگر اب ان میں ایک گرام کھانے کی طاقت نہیں رہ گئی تھی۔

ایسا ہی ایک کھانا مرغ پلاؤ تھا اس کو بنانے کی ترکیب بھی بڑی عجیب و غریب تھی۔ مرغ کو ایک طویل عرصہ تک مشک اور زعفران کی گولیاں کھلایا جاتا تھا جب وہ خوب موٹا تازہ ہو جاتا اور اس کے جسم سے مشک اور زعفران کی خوشبو آنے لگتی تب مرغ کی یخنی نکالی جاتی اور اس میں چاول پکائے جاتے یہ تھا مرغ پلاؤ جس میں بغیر مشک اور زعفران ڈالے ہی ان کی خوشبو ہوتی تھی اس سے بھی زیادہ عجیب تھا موتی پلاؤ۔ جب موتی پلاؤ کو طشتری میں نکالا جاتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اصلی اور سچے موتی رکھے ہوئے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس کے بنانے کی ترکیب یہ تھی کہ ایک تولہ چاندی کے ورق اور ایک ماشہ سونے کے ورق کو انڈے کی زردی میں گھول لیا جاتا۔ ان سب چیزوں کو مرغ کے گلے کی نلی میں بھر دیا جاتا اور نلی کے ہر جوڑ پر کس کر دھاگا باندھ دیا جاتا۔

(باقی صفحہ پر)

صفحہ ۱۶

فنونِ عرب کا خوشہ چین فرانس

ترجمہ و تلخیص ـــــ احمد الرحمٰن بستوی

یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو تاریخ کے ایک ادنیٰ طالب علم پر عیاں ہو جاتی ہے کہ مسلمانان عرب جب مشرقی فتوحات سے فارغ ہوئے تو انھوں نے اپنا مرکزِ نگاہ مغرب کو بنایا۔ یہاں تک کہ فرانس کے جنوبی علاقوں پر عبد الرحمٰن[1] کی سربراہی میں حملہ آور ہوئے۔ اور یہ سلطنت عباسیہ سے راہ فرار اختیار کرنے والے عبد الرحمٰن نہیں ہیں یہ واقعہ سلطنت بنو امیہ میں عہد ہشام بن عبد الملک خلیفہ دہم ۱۲۳ھ کا ہے۔ انکی فتوحات کا سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ فرانس کی نصف سلطنت سے بھی زیادہ پر قابض ہو گئے۔ اگرچہ سخت سردی کیوجہ سے شمالی علاقہ کو فتح کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ لیکن جنوبی علاقہ کا پورا حصہ انکے قبضہ اقتدار میں آگیا، یہاں تک کہ وہاں سے پیرس کی مسافت صرف ۲۲۲ میل رہ گئی تھی پھر انھوں نے اسی علاقہ کو اپنایا اور اس کے متعدد شہروں کو آباد کر کے بارونق بنایا۔ وہاں کے باشندوں سے میل جول انکے سارے معاملات میں تعاون اور انکی عورتوں سے ازدواجی تعلقات قائم کر لئے، اس لئے یہاں کے باشندے عربوں کے مشابہ نظر آتے ہیں، پھر یہ لوگ کاشتکاری اور ان کے ساتھ تجارتی معاملات میں شریک ہو گئے جس کی وجہ سے عربوں اور فرانسیسیوں کے مابین ایک مضبوط محبت آمیز رشتہ قائم ہو گیا اور یہ عربوں کی تہذیب آداب، رسم و رواج اور ان کے اخلاقی رنگوں میں رنگ گئے اور انکے اندر عربوں کی بہت سی خصوصیات نمایاں طور پر نظر آنے لگیں۔

یہ بات تاریخی حقائق سے واضح ہو چکی ہے کہ یورپ کی اقوام ادب اور فنون ادب سے گیارھویں صدی تک بے بہرہ تھیں لیکن عرب اس وقت متمدن اقوام میں سے تھے اور تہذیب و ثقافت کی اعلیٰ قدروں کے حامل تھے۔ ان کے یہاں شام، بغداد، قرطبہ اور اشبیلیہ وغیرہ میں مدارس اور یونیورسٹیاں قائم تھیں جن میں فلسفہ، ہیئات، طب، کیمیا، تاریخ، جغرافیہ، ادب اور شاعری وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی اور اصل فرانس میں صرف چند پادری تھے جکو ورجیل (Virgil)[2] کے لاطینی اشعار یاد تھے۔ لیکن مسلمان اسوقت تک بہت متمدن، تعلیم یافتہ اور ادب میں اپنے پڑوسی عیسائیوں سے کہیں آگے تھے اور ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں گروہوں کا آپس میں ملنا جلنا صلیبی جنگوں میں منقطع اور اس سے پہلے نہیں،

آٹھویں صدی کے ابتدائی دور میں پھر باہم دونوں فریق ایک دوسرے کے افکار و خیالات سے مستفید ہونے لگے، اور فرنگی، مسلمانوں کے علوم کو حاصل کرنے لگے اور جب چارلیمین (Charlemagne) نے دیکھا کہ بغداد رشید کے ہاتھوں عروج اور ترقی کی منزلوں پر گامزن ہے تو اسکی طرف دو فرانسیسی آدمیوں کا وفد روانہ کیا، اسوقت ہارون رشید سیاسی مصلحت کے پیشِ نظر فرانس کی طرف مائل ہوا اسلئے کہ وہ ان دنوں قیصر روم سے برسرِ پیکار تھا اسلئے فرنگی وفد کی اعلیٰ پیمانہ پر ضیافت کی، اور اس وفد کی پیش کش کو جو حجاج کے لئے زیارت بیت المقدس کے سلسلہ میں تھی قبول کر لیا جس کیوجہ سے چارلیمین کی شہرت کا دور دور تک چرچا پھیل گیا، شعراء نے اس کی شان میں قصیدے اور اشعار نظم کئے اور اس کے لئے فرنگیوں نے وہی کیا جو عربوں نے ہارون رشید کے حق میں کیا۔ پس رولینڈ[3] کے گیت نظم کئے گئے اور چارلیمین نے حج بھی کر لیا، لیکن فرانسیسی فنِ ادب، عربی فنِ ادب کی طرح ترقی یافتہ نہیں تھا۔ یہ اس لئے کہ عربی زبان اگرچہ عہد جاہلیت میں محض شاعری تک محدود تھی، لیکن وہ فصیح و بلیغ اور طرح طرح کی تشبیہات و استعارات سے بھرپور تھی اور اس میں عمدہ تصور، بہترین شاعرانہ تخیل، لطافت و شیرینی بیان اور طرز ادا میں نزاکت و سلاست کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ایک ایسا جامع ادب تھا جو اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ عربی اپنے دورِ طفولیت میں نہیں ہے اور معلقات کے اشعار اور تروبادور کے اشعار میں بہت زیادہ بعد اور عظیم فرق ہے کیونکہ تروبادور بالکل خشک اور سلاست و روانی سے خالی ہے اور عربی زبان اسلام کی آمد کے بعد خصوصاً عباسیوں کے دورِ حکومت میں ایک علمی زبان بن گئی اور دسویں صدی عیسوی میں فطری افکار و خیالات کو واضح کرنے کا ذریعہ بن گئی پھر وہ وسط ایشیا سے شمالی افریقہ اور اسپین تک کی سیاسی مسائل کی زبان بن گئی اور اس زمانہ سے آج تک مصر، تونس، الجیریا، مراکش، شام و فلسطین والے اپنے احساسات و خیالات کو پیش کرنے میں عربی زبان کو استعمال کرتے آتے ہیں اور قرون وسطیٰ میں چند صدی تک تمام متمدن اقوام کے علم و ثقافت کو بیان کرنے کا ذریعہ بنی رہی اس وقت فرانسیسی زبان بالکل نئی تھی اور غیر شائستہ تھی، کسی نے کیا خوب کہا ہے:۔ "بہت ممکن ہے کہ مستقبل میں رولینڈ کے گیت اور حج چارلیمین کے ترجمہ پر توجہ دی جائے، تاکہ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اس کا مطالعہ کریں جس طرح ہمارے زمانہ میں فرنگی عربوں کی کتب کے حصول اور ان کی طباعت اور ترجمہ پر توجہ دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی تاریخ کے بعض پوشیدہ گوشوں کی وضاحت کر سکیں اور اس کی تاریخی حیثیت سے واقف ہو سکیں) ہارون رشید نے اسکی طرف بہترین و بیش بہا تحفے بھیجے جس کے بعض پتھر پیرس کے مکتبہ اہلیہ میں برابر محفوظ چلے آرہے ہیں۔

غیر متمدن فرانسیسی قوم کے پاس اسوقت تک انکی حکومت انکے بادشاہوں کے نام، انکی تخت نشینی وفات اور لڑائیوں کی کوئی تاریخ موجود نہیں تھی لیکن جب وہ عرب مورخین سے ملے اور آپس میں تبادلہ خیال کیا اسوقت انھوں نے تاریخ کی ضرورت اور تاریخی فوائد کا اقرار کیا اور تاریخی کتب کی تصنیف و تالیف میں عرب مورخین کی ہدایات حاصل کیں جیسا کہ (تاریخ علم الادب عند الافرنج والعرب) کے مصنف نے کہا ہے "اور جب یورپ کے بادشاہ اور امراء صلیبی معرکوں کے دوران مشرقی بادشاہوں اور مسلمانوں کے امراء سے ملے تو انھوں نے اپنی آنکھوں سے عرب کے ادباء، شعراء، مورخین اور اطباء کو دیکھا خصوصاً جو صلاح الدین ایوبی رح کی معیت میں تھے جیسے قاضی فاضل، عماد کاتب اور عمارہ یمنی جو شاعر اور حکیم حاذق (باقی صفحہ ۱۷ پر)

---

[1] عبد الرحمٰن سے یہاں مراد عبد الرحمٰن بن عبد اللہ الغافقی ہیں جنکی قیادت میں اسلامی لشکر نے فرانس کے بعض جنوبی علاقے فتح کئے تھے۔ ۱۱۳ھ میں فرانس کے شہر (Poitiers) کے میدان میں فرانسیسی کرنل چارلس مارٹل کے مقابلہ میں بلاط الشہداء کا تاریخی واقعہ پیش آیا تھا جسمیں مسلم لشکر کی قیادت عبد الرحمٰن بن عبد اللہ الغافقی ہی نے کی تھی۔

[2] اسے ورجل اور فرجیلوس بھی کہتے ہیں، روم کے بڑے شعراء میں شمار کیا گیا ہے قبل مسیح ۱۹-۷۰ میں تھا اسکی تالیفات میں "الرعائیات" "الفلاحیات" اور "ملحمۃ انیاذہ" کا ذکر کیا جاتا ہے۔

[3] رولینڈ آٹھویں صدی یا قرون وسطیٰ میں شاہ فرانس کا درباری اور مشہور بہادر شہسوار تھا ادب فرانسیسی میں ملحمۃ رولینڈ کو بھی شہرت حاصل رہی ہے۔

غزل

قمر سنبھلی

کیا سوچ کے آج اُس نے مجھے اپنا کہا ہے
الفت کا زمانے سے یہ انعام ملا ہے
ہم نے جو محبت کا کبھی نام لیا ہے
گلشن میں نیا جب بھی کوئی پھول ہنسا ہے
ہرچند ہوا ترکِ تعلق کو زمانہ
چڑھتے ہوئے سورج کی تمازت "ارے توبہ!
کیا جانیے کیا چیز تھی اس پہلی نظر میں
اللہ رے دیوانہ کا یہ شوقِ فراواں
جس شخص کے دیدار سے محروم ہیں آنکھیں

کچھ پوچھنا چاہا بھی تو پوچھا نہ گیا ہے
گزرا ہوں میں جس سمت بھی پتھراؤ ہوا ہے
اِس دَور کے ہر شخص نے دیوانہ کہا ہے
گلچیں کا مگر دستِ ستم پیشہ بڑھا ہے
یادوں کا مگر آج بھی ہر زخم ہرا ہے
سایہ بھی تو اب جائے اماں ڈھونڈ رہا ہے
دل میرا کئی روز سے کچھ ڈھونڈ رہا ہے
پلکوں سے ترے نقشِ قدم چوم رہا ہے
وہ شخص مرا مرکزِ ایمان بنا ہے

میں اپنی تباہی کا اب الزام کسے دوں؟
یاروں نے مرے مجھ کو قمر لوٹ لیا ہے

شریعت و طریقت

نثار عباسی

طریقت جسکو کہتے ہیں وہ خود اک راہ عرفاں ہے
طریقت ہے محبت ضبط کی قائل نہیں ہوتی
طریقت والہانہ شیخ سے عشق و محبت ہے
نہ بہہ جانا کہیں رسمی "تصوف" کے ہی دھاروں میں
نمازیں چھوڑ کر مصروفِ قوالی نہ ہو جانا
بہت اچھا ہے رشتہ پیر و مرشد سے رہے قائم
یہی ہے شانِ ایمانی یہی حسنِ عقیدت ہے
طبیعت کو مسائل اختلافی میں نہ اُلجھانا
یہ خاصانِ خدا ہیں بہ توحسنِ شریعت ہیں
یہی ہیں رہبرانِ دیں جو پیرانِ طریقت ہیں
مصفّا رکھنا گر مقصود ہے آئینۂ ایماں
شریعت سے گریزاں ہو کے منزل پا نہیں سکتا

شریعت ہی مگر اس راہ کی شمعِ فروزاں ہے
شریعت بے اصولی کی طرف مائل نہیں ہوتی
شریعت سے مگر قائم نظامِ دین و ملت ہے
اماں شاید ملے ہم کو شریعت کے کناروں میں
شریعت کو بھلا کر دین سے خالی نہ ہو جانا
کہ دریائے شریعت موجزن دل میں رہے دائم
شریعت کی ہے پابندی طریقت سے محبت ہے
شریعت کی مگر تم روشنی میں ان کو سلجھانا
محافظ سنتِ نبوی کے ہیں سرشارِ الفت میں
کہ یہ ہیں عالمِ دیں اور سراپا شریعت ہیں
تو پابندِ شریعت ہو کے پکڑو پیر کا داماں
جو خود بھٹکا ہوا ہو راستہ دکھلا نہیں سکتا

نہ پابندِ شریعت ہو تو وہ پیرِ طریقت کیا
نثار اس پیر و مرشد کے تصوف کی حقیقت کیا

بقیہ صفحہ (۸)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بعینہٖ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی اطاعت ہے آپ کی اطاعت کی مخالفت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مخالفت ہے۔

جس گروہ نے اطاعت خداوندی کو اطاعت رسول کے خلاف تصور کیا۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ان کے حال سے آگاہ فرما دیا ہے ان کے کفر کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ یریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نومن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا اولٰئک ھم الکافرون حقا۔ ارادہ کرتے ہیں یہ لوگ کہ تفریق کریں اللہ اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں بعض پر اور انکار کرتے ہیں بعض پر اور ارادہ کرتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی راہ بنائیں یہی لوگ ہیں کافر یقینی طور پر۔)

بقیہ صفحہ (۴)

مسیحیت ہی کے کسی نہ کسی پہلو پر ضرب لگے۔

عزیز۔ ہر سزا پر قادر ہے اور ہر حال سب سے بالادست و قوی تر ہے۔ وہ (معاذ اللہ) مسیحیوں کا خدا نہیں کہ انسانی قالب اختیار کر کے طرح طرح کی کمزوریوں اور بیچارگیوں کا شکار بن جائے۔ اور دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر بے بس ہو کر موت تک پا جائے۔ اس کی صفت عزیزیت اس تخیل ہی سے ابا کرتی ہے۔

ذو انتقام۔ وہ رحمن و رحیم و رؤف ہونے کے ساتھ عادل بھی ہے اور صفت عدلت کا تقاضا ہے کہ وہ سرکشوں کے مقابلہ میں سزا و انتقام ہی سے ہو ... ہے اسے سزا دینے میں ہرگز کوئی عار نہیں آتا کہ ... سے بچنے کے لئے اسے "مصلوبیت" اور کفارہ کے پیچ در پیچ راستے اختیار کرنے پڑیں۔ جن مذہبوں نے اپنے خدا کو رحیم ہی رحیم مانا ہے ان کا خدا کا ایک پہلو سے ناقص ہے۔

بقیہ صفحہ (۱۷)

بھی تھا۔ تو انھوں نے ادب کی اچھی قدر کی اور تاریخ مرتب کرنے کی ضرورت کا اعتراف کیا اس لئے سینٹ ڈینس (ST. DENIS) کے ... پر چلنے والے بعض راہبوں نے فرنگی سلطنت کی تاریخ لکھی اور یہ پہلی تاریخی کتاب تھی جسمیں بادشاہوں کے حالات انکی تخت نشینی اور وفات کی طرح انکے تھوڑے بہت حالات اور معرکوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

پرنٹر و پبلشر محمد الحسنی نے ستا پریس متصل جھیلا کالج امین آباد لکھنؤ سے چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

بقیہ صفحہ ۵

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جب کوئی لذیذ چیز پیش کی جاتی تھی تو اس کو ہٹا دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر میں نے استعمال کیا تو مجھ کو خوف ہے کہ کہیں قیامت میں مجھ سے یہ نہ فرمایا جائے کہ تم نے دنیا میں اپنی لذتیں پوری کریں۔ اب تمھارے لئے یہاں کچھ نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ۔ الآیۃ جو شخص ذرا اللہ تعالےٰ کے سامنے پیش ہوئے اور کھڑے ہوئے اور اپنے نفس کو خواہشوں سے روکا اس کے لئے جنت ٹھکانا ہوگا۔

ان دونوں آیتوں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کو درمیان رکھنے کی ضرورت ہے، اور لذائذ کے انہماک سے بالخصوص جبکہ ان میں کسی طرح ممانعت ہو بچنا چاہیئے۔ ہاں اگر بغیر شدت حرص جائز طریقہ پر حاصل ہوجائیں تو اُن کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔

دوم۔ آج ہندوستان میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں، نہیں، کروڑوں آدمی ہیں جو کہ مسلسل کئی کئی روز فاقوں سے بسر کرتے ہیں۔ مسٹر پیٹر مین ۱۹۳۰ء میں لکھتا ہے کہ ہندوستان میں مسلسل فاقہ کرنے والوں کی تعداد چار کروڑ سے کرسات کروڑ انسانوں کی ہے۔ مسٹر لے اے برسل ۱۹۴۲ء میں لکھتا ہے کہ ہندوستان میں ۲۵ کروڑ سے زائد ایسے آدمیوں کی تعداد ہے جن کی پیدائش کے وقت سے مرنے کے وقت تک کبھی پیٹ بھر کر چاول بھی نصیب نہیں ہوتا اور ہزاروں آدمی تدریجی فاقہ کشی اور بھوک سے مرتے رہتے ہیں۔ یہ واقعات تو آٹھ دس برس پہلے کے ہیں، مگر آج جو حال اس گرانی اور قحط سے ہو رہا ہے وہ ظاہر ہے کہ کس قدر آدمی بھوک کی وجہ سے بنگال، آسام، اڑیسہ وغیرہ میں مرگئے۔ یو۔پی میں بھی اس گرانی اور قلتِ اجناس و خوراک کی وجہ سے ہمارے ہی بھائی بند کن تکالیف میں مبتلا ہیں یہ بھی خدا ہی کے بندے اور ہمارے بھائی انسان ہیں کہ ان کو بیجرہ موٹے قسم کا بھی اناج نصیب نہیں ہوتا ہے کہ وہ اس سے پیٹ کی آگ بجھائیں۔

اس کو خیال میں رکھنا چاہیئے اور جو کچھ موٹا جھوٹا اناج کھانا، کپڑا وغیرہ مل جائے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت سمجھ کر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے اور اس کی کوئی توہین و تذلیل، اور ناکارت عمل میں نہ لانی چاہیئے کیونکہ یہ امر اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے شکریہ ادا کرنے سے امید ہے کہ اللہ تعالےٰ اس سے بڑھ کر نصیب فرمائے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ اگر تم شکرگزاری کروگے تو میں ضرور تم پر نعمتوں میں زیادتی کروں گا۔

اللہ تعالیٰ سے گڑگڑانا چاہیئے کہ پروردگار تونے ہم کو اس رزق میں اپنے کروڑوں بندوں سے اونچا بنایا ہے اور ایسی نعمت عطا فرمائی ہے جو کہ اپنے کروڑوں کو نہیں دی میں تیرا شکریہ ادا کرتا ہوں، اور اس کو عاجزی کی صورت میں اس طرح تناول کیجئے جس طرح غلام اپنے آقا کی دی ہوئی چیز کو نہایت ادب اور شکریے سے لیتا ہے اور تناول کرتا ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کی بُرائی نہیں کی، اگر پسند آیا کھالیا ورنہ چھوڑ دیا۔ آپ دوزانو بیٹھ کر کھایا کرتے تھے جیسے نماز میں بیٹھے ہیں۔ اور فرماتے تھے اٰکل کما یاکل العبید۔ جس طرح غلام اپنے آقا کے سامنے کھایا کرتا ہے میں اسی طرح کھاتا ہوں۔

حسین صورت سے متأثر ہونے کا علاج

یہ بھی نفس کی طبعی بات ہے نفس کو توڑنا چاہیئے اور ضرورت ہوتے ہوئے نباہ کرنا چاہیئے، کوئی ایسی بھی حسین اور خوبصورت ہستی ہے منی جیسی ناپاک اور بدبودار چیز سے پیدا ہوئی ہے۔ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ۔ کیا ہم نے تم کو ذلیل اور نجس پانی سے نہیں بنایا۔ حیض کے خون سے اُس کا جسم بنایا گیا ہر وقت اُس کے پیٹ میں نجاست موجود ہے ہمیشہ پیشاب پاخانہ جیسی نجس اور بدبودار چیز اس سے نکلتی رہتی ہے آنکھ سے چیپڑ، کان سے میل، ناک سے رینٹھ۔ منہ سے لعاب دن و رات نکلتا ہے۔ اس کو غور کیجئے اور خوبصورت انسان کی حقیقت کو سمجھئے۔ مرنے کے ساتھ ہی جسم پھولتا ہے، سڑتا ہے، پیپ پڑتی ہے، کیڑے پیدا ہوجاتے ہیں، اس حقیقت کے ساتھ خود کو اور دوسرے انسان کو غور کیجئے تو نفس کی یہ شرارتیں محض حباب اور خیالِ خام معلوم ہونگی ؎

جو چمن میں گذرے تو اے صبا تو یہ کہنا بلبلِ زار سے
کہ خزاں کے دن بھی ہیں سامنے نہ لگانا دل کو بہار سے

جب کوئی حسین صورت نظر پڑ جائے تو معاً یہ نصیحت کیجئے کہ یہ ناپاک منی اور ناپاک خونِ حیض سے بنائی ہوئی صورت ہے اور بدن میں بیرون نجاست اس میں بھری ہوئی ہے، صبح و شام پاخانہ اور پیشاب وغیرہ کی صورت میں نکلتی ہے اور مرنے کے بعد اس کی نہایت نفرت انگیز صورت ہونے والی ہے۔ اس واقعی بات میں ذرا غور اور دھیان برابر رکھئے، انشاء اللہ بیچینی وغیرہ جاتی رہے گی۔

بقیہ صفحہ ۹

دوسرا کہتا ہے ؎

تمتع من شمیم عرار نجد
فما بعد العشیة من عرار

تیسرا کہتا ہے ؎

سلی البانة الغیناء بالاجرع الذی
به البان هل حییت اطلال دارک

لیکن یہ قدیم نجاب جدید نجد کی سرزمین کے صرف ⅓ یا ¼ حصہ تک محدود ہے یہ صرف وہی علاقہ ہے جسکو موجودہ اصطلاح میں القصیم کہتے ہیں جو کہ موجودہ شمر نامی علاقے کے متصلاً جنوب میں حجاز اور احساء کے درمیان واقع ہے یہ بھی علاقہ شمر کیطرح اپنے تین جانب سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے جن سے بہہ کر آنیوالا برساتی پانی یہاں کی زمین کو سیراب و شاداب بناتا ہے جس کیوجہ سے یہاں کے باشندوں کے نظروں میں یہ پورا علاقہ گل گلزار ثابت ہوتا تھا۔ شاعر کہتا ہے ؎

واھا لنجد اذ محل الحی نجدا
و دیار دخنه بعد القطار
یتعور ینقضین و ماشعرنا
بانصاف لهن ولا سرار

اس مذکورہ بالا نجدی خطہ کے جنوب میں واقع علاقہ بھی اب موجودہ انتظامی و اصطلاحی نام کے اعتبار سے نجد ہی کا جزو ہے اور الخرج کے نام سے موسوم ہے لیکن قدیم اصطلاح میں یہ نہ نجد کے نام سے موسوم تھا اور نہ الخرج کے نام سے موسوم تھا بلکہ اسکا نام یمامہ جو یا عروض تھا انہی ناموں سے کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے اور انہی ناموں سے اس کی قدیم تاریخ اس سے وابستہ ہے

اسی علاقہ میں مشہور قبیلہ بنی حنیفہ رہتا تھا جس میں مسیلمہ کذاب پیدا ہوا اور اسی علاقہ میں دور جاہلیت کے مشہور شاعر اعشی کا منفوحہ نامی وطن تھا اور اب اسی علاقہ میں پورے نجد بلکہ پوری مملکت سعودیہ کا دارالسلطنت ریاض آباد ہے اور اسی علاقہ کے شہر درعیہ سے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی مشہور توحیدی تحریک اٹھی اور اس نے جزیرۃ العرب میں انقلاب پیدا کردیا۔ اس کو ہندوستان میں وہابیت کا نام دیا جاتا ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۵

پھر مرغ کو نیم جوش کیا جاتا اور چاقو سے نلی کی کھال پھاڑ دی جاتی۔ اس میں سے سڈول خوبصورت اور چمکدار موتی آتے جو پلاؤ میں گوشت کے ساتھ اُبال لئے جاتے کچھ باورچی پنیر سے بھی اسی طرح کے موتی تیار کرلیتے تھے اور اس پر چاندی کے ورق چڑھا دیئے جاتے۔ تہواروں اور تقریبات پر نوابوں کے دسترخوان پر ایسے تیس چالیس قسم کے پلاؤ اور بیس بائیس قسم کے سالن ہوتے تھے لیکن اب ان کے بنانے اور کھانے والوں کی بات تو دور ہی، ان کھانوں کے نام بتانے والے بھی نہیں ملتے۔

خط و کتابت
کے وقت
خریداری نمبر کا حوالہ
ضرور دیں

یادِ رفتگاں

ذیل میں ان چند اشخاص کے نام درج ہیں جنھوں نے ندوۃ العلماء کی اپنے خونِ جگر سے آبیاری کی، جنھوں نے اس عزیز اور بلند مقصد کے لئے اپنی بہترین توجہات اور صلاحیتیں وقف کردیں اور انتہائی نازک اور دشوار حالات میں بھی اس کے علم کو بلند رکھا، جن کی خاموش کوششوں اور قربانیوں، جن کے اخلاص و بے غرضی، جن کی بلند نظری، وقت شناسی اور حوصلہ مندی کا ندوۃ العلماء رہینِ منت ہے:۔ ناموں کی ترتیب میں نظار کی فہرست مقدم رکھی گئی ہے:۔

مولانا لطف اللہ صاحب علیگڈھی بصیرت و استاد مولوی محمد علی مونگیری

مولانا سید محمد علی مونگیری بانی و ناظم اول

مولانا مسیح الزماں خانصاحب شاہجہانپوری ناظم

مولانا خلیل الرحمن صاحب سہارنپوری ناظم

مولانا حکیم سید عبدالحئی رائے بریلوی ناظم

مولانا نواب سید علی حسن خانصاحب بھوپالی ناظم

مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی ناظم

مولانا شبلی نعمانی معتمد تعلیم دارالعلوم و رکن انتظامی ندوۃ العلماء

مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی

منشی اطہر علی صاحب کاکوروی

منشی احتشام علی صاحب کاکوروی

مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی

مولانا سید ظہور الاسلام صاحب فتحپوری

مولانا سید تجمل حسین صاحب بہاری

مولانا مشتاق علی فیض آبادی

مولانا غلام محمد شملوی

شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ صاحب اعظمی

مولانا اکرام اللہ خاں ندوی

مولانا سید سلیمان ندوی

مولانا عبدالرحمن صاحب نگرامی